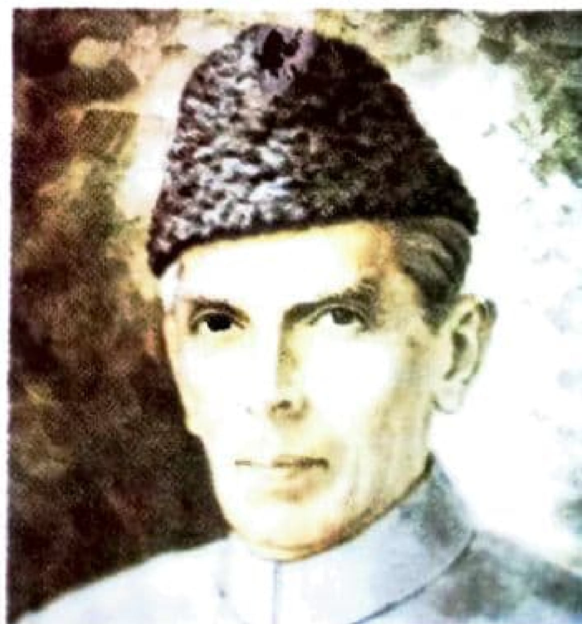
کے ایچ خورشید کی یادیں

غلام رسول سِندھو
(ایڈووکیٹ)

آج منہ ڈھانپ کے پھولوں میں صبا روئے گی





نام کتاب : کے ایچ خورشید کی یادیں

مصنف : غلام رسول سندھو ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

معاون مصنف : ثریا اختر سندھو (ہمشیرہ مصنف) ایم اے بی ایڈ

طبع اوّل : فروری ۱۹۹۱ء

کتابت : ڈاکٹر شہباز محمود رانا

سرورق : عبدالوہاب خان ایم اے فائن آرٹ لاہور

مطبع : نفیس پرنٹرز پٹیالہ گراؤنڈ لاہور

قیمت : ۱۵۰/- روپے

پبلشر : گوہر پبلی کیشنز ہاؤس
۷۰ جی ٹی روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

کتاب کے ملنے کا پتہ

۱- گوہر پبلی کیشنز ہاؤس ۷۰ جی ٹی روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ فون ۸۹۲۳۷۹

۲- مکتبۂ داستان پرائیویٹ لمیٹڈ ۲۶ پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور
فون ۵۲۵۶۶ - ۶۳۴۴۳ - ۵۶۵۴۱ - ۵۵۹۱۴

کے ایچ خورشید

کی

یادیں





مصنف

غلام رسول سندھو

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

گوہر پبلی کیشنز ہاؤس

۷۰ جی ٹی روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

انتساب!

جموں و کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کوئی فرد، قوم، ملک، اپنی شہ رگ کو دشمن کے حوالے نہیں کر سکتا۔ کے ایچ خورشید (مرحوم) آزادیٔ کشمیر کے ممتاز اور عظیم راہنما تھے۔ مقبوضہ جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے انہوں نے دن رات کام کیا۔ وہ آزادی کے متوالے تھے۔ مقبوضہ کشمیر و جموں پاکستان کا جزو لاینفک ہے۔ یوم آزادیٔ پاکستان کے دن سے مقبوضہ جموں و کشمیر کو بھارت کے پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لئے تحریک جاری ہے۔ آزادی کی یہ تحریک مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی عرصہ ڈیڑھ سال سے اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ بھارتی فوجوں، پیرا ملٹری فورسز اور پولیس کے ہاتھوں معصوم اور بے گناہ لاکھوں افراد شہید ہو چکے ہیں۔ بایں ہمہ جذبہ حریت آتش فشاں کے لاوے کی طرح پوری قوت سے ابھر رہا ہے۔ وہ تمام افراد اور مجاہدین جنہوں نے اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کیا۔ وہ تمام لوگ جو مقبوضہ جموں و کشمیر کی آزادی اور الحاق پاکستان تک اپنے خون سے بھارت کی غلامی و اسارت کی سیاہ رات کو روشن کریں گے۔ ان کے جذبۂ شہادت، ایمانی قوت کو سلام کرتے ہوئے اس کتاب کو ان کے نام منسوب کرتا ہوں۔ پاکستان کے عوام، عالم اسلام اور تمام اصول پسند آزادی پسند قوتوں کے نام اپیل کرتا ہوں کہ وہ مقبوضہ جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے جلد پر دباؤ ڈالیں تاکہ خطہ کشمیر جنت بے نظیر بھارتی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر شامل پاکستان ہو جائے اور جغرافیائی طور پر تکمیل نظریۂ پاکستان ہو۔

غلام رسول سندھو ایڈووکیٹ

خود بخود ٹوٹ کے گرتی نہیں زنجیر کبھی
بدلی جاتی ہے بدلتی نہیں تقدیر کبھی
یا رب اس دست جفا کیش کو توڑ
جس نے روح آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

سجاد حسین

اقبال ۔۸۔ ملا

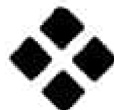
تشکر و امتنان

(۱) مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ سپریم کورٹ آف پاکستان (۲) عثمان ابراہیم بار ایٹ لاء وزیر تعلیم حکومت پنجاب لاہور (۳) صدر آزاد جموں وکشمیر سردار عبدالقیوم خان (۴) زبیر اسلم چیف افسر بلدیہ گوجرانوالہ (۵) مسٹر جسٹس مجید ملک آزاد جموں وکشمیر ہائی کورٹ مظفر آباد (۶) بیرسٹر سلطان محمود نیز مسلم کانفرنس آزاد جموں وکشمیر (۷) خواجہ محمد فاروق وزیر کابینہ آزاد جموں وکشمیر (۸) مجید نظامی چیف ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت لاہور (۹) ملک امجد حسین ایڈووکیٹ ہائی کورٹ و سپریم کورٹ لاہور (۱۰) جسٹس راجہ اکرم ریٹائرڈ مظفر آباد (۱۱) ظفر اقبال نگینہ کرائم رپورٹر روزنامہ جنگ لاہور (۱۲) تنویر ظہور سب ایڈیٹر روزنامہ جنگ لاہور (۱۳) چوہدری صداقت علی ایڈووکیٹ سابقہ ایڈوائزر وزیر اعلیٰ پنجاب ڈسکہ (۱۴) رشید وارثی سب ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت لاہور (۱۵) احمد نسیم ڈی آئی جی سرگودھا (۱۶) محمد سرفراز ایس پی سیالکوٹ (۱۷) ڈائریکٹر کالجز پنجاب چوہدری امتیاز احمد چیمہ (۱۸) ڈی پی آئی شیخ مختار احمد (۱۹) میئر کارپوریشن گوجرانوالہ محمد اسلم بٹ جنہوں نے سیالکوٹ بائی پاس کا نام کے ایچ خورشید بائی پاس رکھا جہاں کے ایچ خورشید مرحوم حادثہ میں ہلاک ہوئے تھے) (۲۰) کاشف مرتضیٰ ایڈیشنل سیکرٹری محکمہ تعلیم پنجاب لاہور (۲۱) چوہدری محمد طفیل تارڑ اسسٹنٹ ڈائریکٹر اوا ے پی آئی گوجرانوالہ (۲۲) چوہدری خالد محمود ڈائریکٹر اوا ے پی آئی گوجرانوالہ (۲۳) ملک ذوالفقار علی چیئرمین ایس سی سی لاہور (۲۴) مشہور شورش پی آر او عثمان ابراہیم وزیر تعلیم پنجاب لاہور (۲۵) مفتی عبدالغنی نائب صدر مسلم کانفرنس آزاد جموں وکشمیر مظفر آباد ایڈیٹر روزنامہ شہ رگ پاکستان (۲۶) ڈاکٹر شہباز محمود رانا بی ایس سی ایم بی بی ایس میڈیکل آفیسر سوشل سیکیورٹی ہسپتال گوجرانوالہ

میں مذکورہ بالا افراد کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ وہ یا تو کے ایچ خورشید مرحوم کے دوست اور ہمدرد تھے یا انھوں نے ان کی وفات کے بعد ان کو کسی طرح خراجِ عقیدت پیش کیا۔ نیز ایک کتاب کی تکمیل میں میری ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ جو میرے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئی۔

غلام رسول سندھو ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ۔ ۷ جی ٹی روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

فہرست



پیش لفظ

سندھو صاحب نے خورشید صاحب سے اپنی ملاقاتوں کے حوالے سے جو یادوں کا مرقع، کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ وہ تحریک آزادی کشمیر میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے اس لئے کہ ان ملاقاتوں میں خورشید صاحب نے جس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کہ مسئلہ کشمیر آزادی کشمیر اور ایک کروڑ ۲۰ ہزار کشمیریوں کے لئے ایک باوقار اور با اختیار مقام حاصل کرنے کے لئے اس عظیم انسان کے دل میں کتنی تڑپ تھی۔ زندگی بھر سوائے ایک مختصر وقت کے حزب اختلاف میں رہنے کے باوجود وہ اپنے ہم وطنوں کو ان کے جائز حقوق دلانے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ وہ ایک منفرد سوچ اور کھلے ذہن کے مالک تھے۔ سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کرتے تھے اور پھر پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھتے تھے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ وہ مخلص ہیں، دیانت دار ہیں، محب الوطن ہیں، زندگی بھر اصولوں کا سودا نہیں کیا۔ نہ کبھی نہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے حاکم وقت کی خوشامد۔ ہر دور میں کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کبھی کسی حکمران کے سامنے نہ جھکے نہ ہی اپنے موقف سے ہٹے۔

آزاد کشمیر کو تسلیم کروانے کا ان کا مطالبہ بھی اسی خلوص پر مبنی تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر آزاد کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ کی جانشین حکومت تسلیم کر لیا جائے تو وہ اپنی جنگ حکومت پاکستان کی مدد سے خود لڑ سکتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے اپنی پارٹی لبریشن لیگ کے اس موقف کو بھی بار بار دہرایا کہ مسئلہ کشمیر میں کشمیریوں کی حیثیت ثانوی نہیں بلکہ وہ ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے انھیں اپنے وطن کی آزادی میں کام کرنے اور رائے دینے کا پورا پورا حاصل ہے۔ ان کی اس سوچ سے جس میں محب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، کبھی حکمرانوں نے تسلیم نہ کیا۔

اگر خورشید صاحب کے اس اندازِ فکر سے تعاون کیا جاتا تو ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ملک کا مسئلہ یہ نہ ہوتا جو آج ہے لیکن خود غرض اور نا اہل لوگ ایسا نہیں سوچتے۔ وہ تو صرف وقتی فائدوں کے لئے ملک اور اس کے مفاد کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

سندھو صاحب نے ایسے کئی حوالے دیئے ہیں جس سے خورشید صاحب کی ذات سے تاریخ کو راہ ملتی ہے۔ ان کے نو نکات اور ایم آر ڈی، معاہدہ شملہ اور کے ایچ خورشید جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دور کے ایچ خورشید اور سابق صدر ایوب خاں اور کے ایچ خورشید اور سقوطِ ڈھاکہ کے ایچ خورشید اور سیاہ چن گلیشیئر، یہ سارے اہم واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔ خورشید صاحب کے خیالات منفرد اور ٹھوس ہیں۔ اس سے رہنمائی ملتی ہے اور اس محب الوطن انسان کے کردار کا پتہ چلتا ہے جس پر بارہا مفاد پرستوں نے علیحدگی پسند اور پاکستان دشمن کے گھناؤنے الزامات لگائے تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ آنے والے وقت میں ان سب کا ذکر آئے گا اور خورشید صاحب کی ذات بغیر کسی شک و شبہ کے بلند ترین ہوگی۔

سندھو صاحب نے اپنی کتاب میں چند ایسے لوگوں کے مضامین بھی شامل کئے ہیں جو خورشید صاحب کو جانتے تھے جانتے تھے۔ پیر حمید العزیز، ملک امجد حسین (ایڈووکیٹ)، جسٹس راجہ محمد اکرم خاں کے طویل مضامین بھی ان کی ذات پر بحیثیت ایک انسان، ایک سیاسی شخصیت قائدِ اعظم کا قریبی ساتھی اور تحریک آزادیٔ کشمیر کا ایک نڈر کارکن کی حیثیت سے بھی ان کی زندگی کے مختلف پہلو ایک جامع تاریخ کو جنم دیتے ہیں۔

یہ مختصر سی کتاب ایک بہت عمدہ کوشش ہے اور مجھے یقین ہے کہ خورشید صاحب کے دوسرے دوست بھی ان کی یادوں اور ملاقاتوں کو یکجا کر کے تاریخ کے طالب علم کو سیاست میں ایک راہ دکھائیں گے اور آنے والی نسلوں کو ان کے خیالات، ان کی محب الوطنی ان کی آزادی کے لئے تڑپ اور اپنے ہم وطنوں کے لئے ایک باوقار مقام حاصل کرنے کی کوشش سے روشناس کریں گے

ثریا خورشید جنوری ۱۹۹۱ء، لاہور

ہر سفر کی دشواری اٹھاتے پھرے
کشمیر کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے
لے کر ہاتھوں میں فتح و نصرت کے پرچم
آ گئیں پُر آشوب ساعتیں

ہر مشکل وقت میں مسکراتے پھرے
آج وہ آگ وطن میں لالہ زار ہوئے
مل کے آزادی کشمیر کے گیت گاتے چلو
زمانے آزادی کشمیر آزادی کشمیر خواں ہوئے تم

. . . .

صدائے نو ہے گلی گلی فتح کشمیر ہو گی
ہر اک سمت چمن میں روشنی ہو گی
اٹھو کہ قدم بہ قدم راہِ کشمیر پہ چلیں
اب تو سندھو تکمیل نظریہ پاکستان ہو گی۔

غلام رسول سندھو

. . . . .

نوٹ : ۱۹۹۰ء مارچ میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی گولڈن جوبلی کی تقریب کے سلسلہ میں روزنامہ جنگ نے اپنے دفتر میں آل پاکستان مشاعرے کا اہتمام کیا۔ راقم نے اس مشاعرہ میں شرکت کی اور مذکورہ بالا اشعار پڑھ کر سنائے۔

(۱)

میرے شعور کو جب سے پاکستان اور دنیا کا ادراک حاصل ہوا، تب سے پاکستان اور اس کے بانیان و معاونین سے گہرا شغف اور غیر پایاب محبت و شفقت کا آغاز ہوا۔ یوں تو ہر پاکستانی کو میرے جتنی محبت پاکستان سے ہے مگر میرے دل میں اس محبت کا جو سمندر موج زن ہے اس کے طول و عرض کا خود مجھے علم نہیں۔ بعض اوقات اس لگاؤ کے ہاتھوں ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو عام حالات میں میرے لئے ناممکن ہیں۔ بہر حال عشق و محبت کی کوئی حدود نہیں ہوتیں، عقل محوِ تماشا ہی رہتی ہے جب کہ عشق ناممکن کو بھی ممکن بنا رہا ہے اور دنیا و فنا کی وسعتوں کو پار کر جاتا ہے۔

مَیں نے ۱۹۷۳ء کے شروع میں گوجرانوالہ میں وکالت کا آغاز کیا تو میری ملاقات جموں و کشمیر لبریشن لیگ کے ایک اَن تھک کارکن محمد قریشی نعیم سے ہوئی جو گوجرانوالہ مہاجر جموں و کشمیر کیمپ نمبر ۲ کا سکونتی ہے۔ باوجود جسمانی اور مالی مشکلات کے جماعت مذکور کا سچا اور پکا کارکن ہے۔ اس وقت جماعت مذکور کا پبلسٹی سیکرٹری ہے۔ ۱۹۷۳ء سے لے کر آج تک جماعتی وفاداری سرفہرست ہے پاکستانی سیاست کے کارکنوں کو دیکھا جائے تو اجتماعی تاثر موسمی پرندوں کا رہتے ہیں جن کا کام ہی بہار سے ہے، جس میں خزاں نہ ہو۔ چڑھتے سورج کی پرستش کارکنوں کا معمول و دستور ہے۔ ہر جو صدارت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوا، اس سے

وابستگی اختیار کر لی - ہمارے لئے نیوزرز، کیپٹنرز کی چھاپ سیاست پر گہری ہے۔ ہر دور سیاست میں ان کی شمولیت یقینی ہے۔ اس نسل کو ایک نام دینا چاہتا ہوں، وہ ہے پولیٹیکوز یعنی POLITICTO RACE - اس طبقہ سے ہٹ کر کوئی طبقہ برسرِ اقتدار نہیں - کوئی سیاست دان برسرِ اقتدار ہو یا کوئی مارشل لاء حکمران، ان کی منظورِ نظر یہی سیاسی نسل ہے۔ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دورِ اقتدار کے دوران تھوڑی سی تبدیلی لانے کی کوشش کی - نچلے طبقہ سے محمد حنیف رامے کو وزیرِ اعلیٰ پنجاب بنایا - رامے صاحب نے بھی اس خاص نسل میں پہنچ کر خدا کا شکر ادا کیا - پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور ذوالفقار علی بھٹو نے بھی دوبارہ ایسی کوشش سے توبہ کر لی - رامے صاحب کے شکریے اور بھٹو مرحوم کے توبہ کر لینے میں ایک تاریخ پوشیدہ ہے جس کا فہم و ادراک صاحبِ بصیرت لوگوں کو ہے - بہرحال میرے نزدیک پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے پاس منشور تو ہے مگر قلم میں غریبوں کو دینے کے لئے کچھ نہیں - زبان پر اللہ و رسول (صلعم) کا نام تو ہے مگر عمل نہیں۔

اس کے برعکس جموں وکشمیر لبریشن لیگ کی تنظیم میں ایک کارکن کو اہم مقام حاصل و میسر ہے - جے کے ایل ایل کے قائد جناب کے ایچ خورشید مرحوم کے نزدیک ایک غریب کی بے شرط استواری وابستگی کو خاص اہمیت حاصل تھی - انھوں نے کنونشن منعقدہ لیاقت باغ راولپنڈی میں اپنے کردار کی اس خوبی کی تصدیق کر دی - جب کنونشن میں شاملین نے نشر و اشاعت کے مرکزی سیکرٹری کا انتخاب کرنا تھا تو قائدِ جماعت نے خود محمد قریشی نعیم کا نام پیش کیا اور حاضرین نے کھل کر اس تجویز کی حمایت کی - بہ الفاظ دیگر کارکن کے کام سے غرض و غایت تھی اس کی غربت سے کوئی شکوہ و شکایت نہ تھی - امیر و غریب کے درمیان فرق و تفاوت دولت کی کمی بیشی سے عبارت تھا - نہ جسم و جان کی قوت و طاقت، صرف قابلیت اور اہلیت تجربہ

معاملہ فہمی ہی معیار و مدارج تھا جو کہ پاکستانی سیاست میں ناپید و مفقود ہے۔ مگر اب یہ وبا آزاد کشمیر کی سیاست کو بھی اپنے دامن میں لے لے تو کوئی عجب نہیں بالخصوص کے ایچ خورشید مرحوم کی وفات کے بعد

ہاں میں ذکر کر رہا تھا، محمد نعیم قریشی کا، جس نے مجھے بتایا کہ غالباً ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو کے ایچ خورشید گوجرانوالہ آ رہے ہیں - وہ جماعتی کارکنوں سے خطاب کریں گے - میں نے پوچھا کس جگہ؟ تو میرے دوست نے بتایا کہ گوبند گڑھ جو گوجرانوالہ شہر کے وسط میں ایک محلہ کا نام ہے - میں نے وقت اور دعوت نامہ پوچھا تو بتایا گیا کہ ۳، ۴ بجے شام کو اور دعوت نامہ کی ضرورت نہ ہے۔

۲۳ کو مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر پہنچ گئے - دیکھا تو پتہ چلا کہ ابھی قائدِ جماعت وجمہوریت نہ آئے ہیں - میں بڑا بے تاب تھا - کے ایچ خورشید کو دیکھنے اور ملاقات کرنے کے لئے کرسیوں پر بیٹھ گئے اور قائد کی آمد کا انتظار کرنے لگے - پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ کے ایچ خورشید آ گئے - ان کے ساتھ دیگر مرکزی عہدے داران بھی تھے - میرے دوست نے میرا تعارف کرایا - علیک سلیک ہوئی - سٹیج پر جا کر قائد کرسیٔ صدارت پر بیٹھ گئے - انھوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور بٹھایا - چند لمحوں بعد تلاوت قرآن پاک سے اس اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی - گھنٹہ بھر کارروائی جاری رہی - اس کارروائی کا زیادہ تر حصہ قائدِ جماعت کے خطاب پر مشتمل تھا - کارروائی ختم ہوئی تو ان سے کھل کر باتیں ہوئیں - کے ایچ خورشید کہہ رہے تھے کہ پاکستان کے ناعاقبت اندیش فوجی اور سیاسی حکمرانوں نے مشرقی پاکستان گنوا دیا - انھوں نے کہا کہ ہم سے جو کچھ بن پا رہا تھا کیا - پاکستان کے عوام کو قبل از وقت خطرات سے آگاہ کیا - یحییٰ بھٹو گٹھ جوڑ اور یحییٰ خاں کی ہوس پرستی کو بے نقاب کیا مگر حالات کو سنبھالا نہ دیا جا سکا کیونکہ حالات تیزی سے آگے بڑھ رہے

تھے جب کہ ہمارے حکمران اپنی عیش پرستیوں اور عیش کوشیوں میں مبتلا ساتویں بحری بیڑے کا انتظار کر رہے تھے جو نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ امریکہ ہزاروں میل دور بیٹھا ہمارا دفاع نہیں کر سکتا۔ پاکستان کا دفاع پاکستان کے عوام ہی کر سکتے ہیں مگر حکمرانوں نے عوام کو کبھی اس لائق نہیں سمجھا کہ ان کو امورِ مملکت میں شامل کیا جائے۔

کے ایچ خورشید مرحوم کو ایک نظر دیکھتے ہی اس چیز کا احساس ہوا کہ وہ ذہین وفطین سیاسی بصیرت کے حامل خوش گفتار، خوش بیان انسان ہیں۔ اُن کا رنگ سفید و سرخ پیشانی کھلی اور کشادہ گول چہرہ، چھوٹی ناک، سر پر بال سرخ و سفید درمیانے قد کے اردو، انگریزی اور کشمیری زبان روانی سے بولتے تھے۔ ان کے ساتھ گفتگو سے ہم نے ایک نتیجہ اخذ کیا۔ کے ایچ خورشید مرحوم صرف جموں وکشمیر لبریشن لیگ کے رہنما ہی نہ تھے بلکہ وہ پاکستانی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ پاکستانی سیاست پر جس انداز پر انھوں نے گفتگو کی۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ وہ پاکستانی سیاست اور اس سے متعلقہ امور سے بہ خوبی واقف تھے جیسا کہ بعد کے ایام نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ واقعی اس پائے کے رہنما تھے کہ اس وقت کے سیاست دان جو پاکستان کی سیاست میں مصروف و مگن تھے، وہ ان میں سے کسی سے بھی کم نہ تھے کارروائی اجلاس کے اختتام پر انھوں نے لاہور آنے کی دعوت دی، ہم نے اس دعوت کو خوش نصیبی سمجھ کر منظور و قبول کیا۔

گوجرانوالہ شہر کے گوندلانوالہ چوک پر اولمپک ٹریول کا بورڈ لگا تھا اور اب بھی ہے اس کو حاجی علی اکبر، جو جموں وکشمیر لبریشن لیگ کے رکن بھی تھے اس کاروبار کے مالک تھے کے ایچ خورشید جب بھی گوجرانوالہ آتے اس اولمپک ٹریول کی جگہ حاجی علی اکبر کی جگہ کے ہاں قیام کرتے اور اکثر و بیشتر اسی جگہ پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا کرتے تھے۔ حاجی علی اکبر بھی جموں وکشمیر لبریشن لیگ کے رکن بلکہ عہدے دار بھی ہیں، لیکن اُن

سے مل کر ان کی صلاحیتوں کا گرویدہ ہوئے بغیر انسان رہ نہیں سکتا۔ جب بھی راولپنڈی میرپور، مظفر آباد جاتے ہوئے گوجرانوالہ سے گزرتے تو حاجی علی اکبر کے ذریعہ محمد نعیم قریشی ہم کو ان کی آمد کی اطلاع کر دیا کرتے تھے اور ہم ان کی آمد کو باعثِ فخر سمجھ کر اولمپک ٹریول پر وقت سے پہلے چلے جایا کرتے تاکہ ہم قائدِ کشمیر کا استقبال بھی کر سکیں۔

چنانچہ ہم ان کی دی ہوئی دعوت پر لاہور اُن کے گھر گئے۔ میرے ہمراہ محمد قریشی نعیم اور دیگر دوست بھی تھے۔ جناب کے ایچ مرحوم کو ہم نے اپنی آمد کی اطلاع دی تو وہ ہمارا استقبال کرنے کے لئے اپنی رہائش گاہ سے باہر چلے آئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی اہم پاکستانی اور کشمیری راہنما نے ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے یوں محسوس کیا جیسا کہ ہم میں بھی ایسی قوتیں کارفرما ہیں کہ جن میں جناب کے ایچ خورشید کے لیے کشش پائی جاتی ہے۔

یہ ہماری خام خیالی تھی کہ ہم عظیم ہیں بلکہ عظیم تو جناب کے ایچ خورشید تھے اُن کا کردار عظیم تھا۔ ان کا ضمیر صاف اور روشن تھا اُن کے اندر انسانیت جگمگا رہی تھی اسلام کے شیدائی اور انسان کی عظمت کے علم بردار تھے۔ آج جب میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں تو اس سے قبل مجھے پاکستان کی تمام تر شخصیتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو ۱۹۶۸ء میں اکتوبر میں جب، انھوں نے اپنی پیپلز پارٹی کا اعلان کیا تو وہ راولپنڈی سے لاہور جا رہے تھے، جب وہ گکھڑ سے گزرے تو میری دعوت پر میرے دفتر تشریف لائے۔

نواب زادہ نصر اللہ خان، شیر باز مزاری، سردار عبدالقیوم خان، عبدالولی خان، بیگم نسیم ولی خان، اکبر بگٹی، عطاء اللہ مینگل، خواجہ خیرالدین، ملک قاسم، پیر پگاڑا، بے نظیر بھٹو، نصرت بھٹو، ممتاز بھٹو اور پاکستان کے موجودہ وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی، سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو، شہید افغانستان جنرل ضیاء الحق، سابق صدر پاکستان عوامی مجیب الرحمن

ملک غلام جیلانی وغیرہ اور بھی دیگر اہم شخصیات ہیں جن سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ ان تمام شخصیات میں سے تین اہم شخصیتیں ہیں جنھوں نے مجھے متاثر کیا ۔ اُن میں سے جناب کے ایچ خورشید مرحوم ، جناب سید مردان علی شاہ عرف پیر پگاڑا اور سردار عبدالقیوم خاں، ان کا میں آج بھی معترف ہوں اور کل بھی رہوں گا ۔

موضوع سے ہٹ کر بات لمبی ہوگئی ۔ جناب کے ایچ خورشید مرحوم ہمیں ہاتھوں سے پکڑ کر اندر لے آئے اور خود ہی چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی ۔ دل سے ہم اور بھی ان کی شخصیت کے گرویدہ ہو گئے ۔ جناب کے ایچ مرحوم سے تقریباً دو گھنٹے ملاقات ہوئی ۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیر اعظم تھے ۔ سقوطِ ڈھاکا ہو چکا تھا ۔ پاکستان کے اندر زرعی اصلاحات کا چرچا تھا جو سابق وزیر اعظم نے آرڈی نینس ۱۹۷۲ء کے ذریعہ اس ملک میں نافذ کی تھی ۔ سقوطِ ڈھاکہ کے زخم ابھی تازہ تھے ۔ انھوں نے پاکستان کے حالات پر سیر حاصل بحث کی ۔ ہمارے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کی ۔ ہم نے اس دوران دو مرتبہ ان سے رخصت کی اجازت چاہی لیکن دونوں مرتبہ انھوں نے "تشریف رکھیے" کہہ کر پھر گفتگو میں مصروف ہو جاتے ۔ ان کی گفتگو سے ایک واضح حقیقت جو مترشح ہوتی تھی کہ اُن کو سقوطِ ڈھاکہ کا بہت غم ہوا اور اس سانحہ ارتحال سے وہ نڈھال تھے ۔ اس ملاقات کا زیادہ تر وقت سقوطِ ڈھاکہ کی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے گزرا ۔

ہم نے پھر تیسری مرتبہ ان سے اجازت چاہی تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ باتیں کرتے ہوئے ہمارے ساتھ مین روڈ پر تشریف لائے اور ہمیں رخصت کیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شخصیت پر کوئی پردہ یا خول نہیں چڑھا ہوا تھا بلکہ دل سے جو بات اٹھتی تھی وہی زبان پر آتی تھی ۔ آج کے حالات سے اور سیاست دانوں سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو اس پہلو سے بھی ان کو منفرد مقام حاصل تھا کیوں کہ آج جو

پردہ پوشی ہے اور ایک چہرے پر ہزاروں خول چڑھے ہوئے ہیں ۔ آدمی کو سمجھنے کے لیے وقت لگتا ہے ۔ جو بات کی جاتی ہے عمل اس کے برعکس ہوتا ہے جیسا کہ ایک مشہور شاعر راحت ملک نے اپنے ایک شعر میں کیسی خوب صورتی سے موجودہ حقیقت کو بیان کیا ہے :

باہر سے ڈھونڈ کر لائے ہیں روسی اسلام غریبوں کا
ہم جام پہ جام چڑھاتے ہیں اب لے لے نام غریبوں کا

موجودہ پاکستان کے اندر تمام سیاسی جماعتیں غریبوں کی فلاح و بہبود کے سلسلے اپنی جماعت کے منشوروں کو عمدہ سے عمدہ اور قابلِ قبول بنانے کی کوشش کرتی ہیں جو نہی اور جب بھی اقتدار مل جائے تو عام آدمی کی فلاح و بہبود سے کہیں کوسوں دور اپنی شانِ سکندری میں بڑے طمطراق سے اضافہ کرنے کی سوجھتی ہے ۔ ہر دور میں غریب آدمی کے ساتھ یہی کچھ ہوا ہے ۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم پاکستان کی اجتماعی فلاح و بہبود کے حق میں تھے اسی مقصد کے لیے انھوں نے ہمیشہ آواز اٹھائی اور ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے تک وہ ہمیشہ پاکستان کی عظمت کو عام آدمی کی فلاح و بہبود سے مشروط قرار دیتے رہے ۔

اُن کی سیاست کا ایک اور نمایاں پہلو یہ تھا کہ جس طرح پہلے ذکر کیا جا چکا ہے وہ سیاست میں بھی سچائی اور صداقت کے علم بردار تھے اور سچی بات کہہ کر فخر محسوس کرتے تھے ۔ چاہے عوام کو یہ بات بُری ہی کیوں نہ لگے ۔ حقیقت ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے یہ بھی سیاسی عظمت ہے کیوں کہ اس میں خوف کارفرما نہیں ہوتا ۔ اقتدار کی بھوک تنگ نہیں کرتی دل و ضمیر صاف اور ٹھنڈا ہوتا ہے ۔ ذہنی اور دلی سکون سیاست میں بہت کم دیکھنے میں آیا ہے ۔ آج جو معمول و دستور ہے کہ اقتدار میں رہا جائے چاہے اس کی کچھ بھی قیمت ہو ۔ شب و روز وفاداریاں بدلنا ہماری سیاسی روایت بن چکی ہے ۔ اس

سیاسی نظر نے جو نتائج و عواقب پیدا کئے ہیں اس نے پوری قوم کو کرپشن، قومی دولت کی لوٹ مار کی گودی میں لا کر بٹھا دیا ہے۔ جہاں سے باہر آنے کا راستہ قریب قریب مستقبل کے افق پر دکھائی دیتا نظر نہیں آتا۔ ان دنوں جب اُن سے ملاقات ہوئی تو وہ لاہور سرکٹ ہاؤس میں رہائش پذیر تھے۔ کرایہ کا مکان تھا۔ ان کی گزر اوقات کا واحد ذریعہ پیشۂ وکالت تھا۔ وہ بڑے باحوصلہ اور باصبر سیاستدان تھے۔ کرایے کے مکان میں رہ کر احساسِ کمتری کا خیال لانے کی بجائے ہمیشہ فخر محسوس کیا۔

آج کی سیاسی قلابازیوں کو سامنے رکھا جائے۔ اقتدار کا حصول موقوف اور منحصر ہے اس بات پر کہ قومی خزانہ اور عوام سے کتنا پیسہ لوٹا جائے۔ کتنی کوٹھیاں اور کاریں خریدی جائیں حتیٰ کہ ہوائی جہاز تک خریدے جائیں۔ کے ایچ خورشید مرحوم آزاد کشمیر کے بااختیار صدر رہ چکے تھے۔ اپنا زمانۂ صدارت کے دوران اگر وہ چاہتے تو ہزاروں ایکڑ اراضی اور لاکھوں بینک بیلنس بنا سکتے تھے۔ انھوں نے قومی خزانے کو امانت سمجھا جیسے صدارت میں داخل ہوئے تھے ویسے ہی نکلے۔ ان کی ایمانداری صداقت جو آج ایک قصہ کہانی معلوم ہوتی ہے۔ پاکستان کے سابق وزیراعظم سہروردی مرحوم جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اُن کے پاس بھی روپیہ پیسہ ہونے کی بجائے مقروض دنیا سے رخصت ہوئے۔

وہ اپنے زمانۂ وزارتِ عظمیٰ کے دوران سب کچھ حاصل کر سکتے تھے لیکن ایسا کیوں نہ کر سکے۔ وجہ یہ نہ تھی کہ وہ کر نہیں سکتے تھے بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ شرافت اور صداقت کا مجسمہ تھے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنی ذات پر اعتماد کریں اور اپنی تقدیر کو خود اپنے ہاتھوں سے بنائیں۔ ہمیں ایسے مستقل مزاج اور باایمان لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنے عقائد کی خاطر تنِ تنہا لڑ سکتے ہوں، خواہ فی الحال پوری دنیا ان کے خلاف ہو)

اس فرمانِ قائد کو سامنے رکھا جائے اور کے ایچ خورشید کے سیاسی کردار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات ظاہر ہے کہ وہ مستقل مزاج اور باایمان ہے۔ اس لیے بھی کہ ان کی تربیت بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے زیرِ سایہ ہوئی تھی۔ سیاسی تربیت کے نتیجے میں جو خصوصیات قائداعظم رح کے کردار میں تھیں اُن کی ایک جھلک اُن کے کردار سے نمایاں تھی۔ سرکٹ ہاؤس سے نکلنے کے بعد انھوں نے رہائش کے لئے متعدد مکانات کو دیکھا یہاں تک کہ وہ ایسے مکان میں رہائش رکھنے پر آمادہ ہو گئے جس کا کوئی ڈرائنگ روم نہ تھا۔ رہائش کا خیال اس نقطۂ نظر سے تبدیل کر لیا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ تو بخوبی رہ سکتے ہیں لیکن جو اصحاب ملاقات کے لئے آئیں گے، ان کو بٹھانے کا کیا انتظام ہوگا۔ لہٰذا کیولری گراؤنڈ کی رہائش اختیار کر لی اور آخری وقت ان کا جنازہ بھی اسی کیولری گراؤنڈ سے اٹھایا گیا۔

٭

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دور کے
کے ایچ خورشید مرحوم اور سابق صدر ایوب خان

. . . .

جناب کے ایچ خورشید سے ہماری تیسری ملاقات ان کی رہائش گاہ واقع ہرکٹ ہاؤس میں ہوئی۔ میرے ساتھ محمد قریش نعیم جموں کشمیر برٹش لیگ کے مرکزی سیکرٹری نشرواشاعت بھی تھے۔ یہ ملاقات مارچ ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ اس ملاقات میں جو معاملات زیر بحث آئے ان میں مقبوضہ جموں وکشمیر کی آزادی، پاکستان میں زرعی اور صنعتی اصلاحات اور پاکستان کا اندرونی امن وامان سرفہرست ہیں۔ مقبوضہ کشمیر وجموں کی آزادی پر بات کرتے ہوئے جناب کے ایچ خورشید نے کہا:

"ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں قدرت نے پاکستان کو بہترین موقع عطا کیا تھا، جب پاکستان کی مسلح افواج بہاول نگر اور لاہور سے پیش قدمی کرتی ہوئیں بھارت کے دارالحکومت دہلی کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ توپ خانہ دہلی پر گولہ باری کر رہا تھا اور اس وقت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے اس صورتِ حال سے گھبرا کر اپنا دارالحکومت دہلی سے الٰہ آباد منتقل کر لیا۔ کشمیر میں پاکستان کی مسلح افواج، وادیٔ لیپا چھب جوڑیاں پر قبضہ کرنے کے بعد سری نگر کی طرف بڑھ رہی تھیں اور پاکستان کی فضائی فوج کا بھارت کی فضاؤں پر مکمل تسلط تھا۔ مقبوضہ جموں کشمیر کا کوئی مقام پاکستان کے شاہینوں کی زد سے باہر نہ تھا۔ پیش قدمی کرتی ہوئی پاکستان کی مسلح افواج کو روک دیا گیا اگرچہ یہ روک بین الاقوامی دباؤ کا نتیجہ تھی لیکن کچھ معاملات ملک وقوم کے نقطۂ نظر

سے اتنے اہم ہوتے ہیں کہ ان پر بین الاقوامی دباؤ کو بھی مسترد کر دیا جاتا ہے۔ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔

معاشی لحاظ سے پاکستان کی مضبوطی کا انحصار کشمیر سے رواں ہونے والے دریاؤں کے پانی پر مبنی ہے۔ اگر کشمیر کو آزاد نہ کرایا گیا تو بھارت ان دریاؤں کے پانی کو روک کر پاکستان کے لئے سمندر کے اس جہاز کی صورت پیدا کر سکتا ہے جو سمندر میں واقع کسی جزیرہ پر چڑھ گیا ہو۔

انھوں نے کہا کہ ایوب خاں سے ملاقات کی اور جنگی صورت حال پر تبادلۂ خیال کیا اور فیلڈ مارشل ایوب خاں پر زور دیا کہ کشمیر کو ہر قیمت پر آزاد کرایا جائے لیکن فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے روس امریکہ اور بین الاقوامی دباؤ کا ذکر کر کے اپنی معذوری ظاہر کر دی جس پر انھوں نے صدر مملکت سے کہا کہ کشمیر کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو حساس ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی معیشت کے لئے آب حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ بین الاقوامی دباؤ کے سامنے جھکنے کی بجائے حالات کا مقابلہ کیا جائے۔ ایوب خاں نے اندرون ملک کارفرما سازشوں کا بھی ذکر کیا جو پاکستان کی قومی اور جنگی کامیابیوں کو سبوتاژ کر رہی تھیں۔

انھوں نے نام لیے بغیر کہا کہ جب بیرون ممالک کے دورہ سے بات ہوتی ہے تو وہ کشمیر پر سخت اور بے لچک موقف اختیار کرتے ہیں لیکن اب جب کہ آپریشن جبرالٹر کی ناکامی کی صورت میں پاکستان پر حملہ کر دیا تو وہ عناصر جو اس آپریشن جبرالٹر کے ذمہ دار تھے اس کی ناکامی کی وجوہات اور ذمہ داری اپنے سر لینے کو تیار نہ ہیں۔

انھوں نے کہا کہ خورشید صاحب ہمارے اس آپریشن کو جو ہم نے مقبوضہ جموں و کشمیر میں کیا۔ آپ کے لوگوں نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ بہرحال جو نتیجہ اس کا برآمد ہوا ہم نے اس کا مقابلہ کیا لیکن بین الاقوامی دباؤ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صدر موصوف نے کہا کہ جنگ بندی منظور نہ کرنے کی صورت میں پاکستان کو ناقابل بیان بھیانک نتائج کا سامنا کرنا

پڑے گا۔ امریکہ نے بھی اپنے سفیر کے ذریعے یہ بات پہنچائی ہے کہ جنگ بندی منظور نہ کرنے کی صورت میں پاکستان کی ہر قسم کی امداد بند کر دی جائے گی - جناب کے ایچ خورشید نے بتایا کہ انھوں نے صدر موصوف سے کہا کہ

آپریشن جبرالٹر کا آغاز کرنے سے قبل مقبوضہ جموں کشمیر کے عوام کو اعتماد میں لیا جاتا اور اس مقصد کے لئے پاکستان کو خارجی میدان میں مسئلہ کشمیر کو بھرپور انداز میں اٹھانا چاہیے تھا اور کشمیر کے عوام کو بین الاقوامی پلیٹ فارم پر مقبوضہ کشمیر کے متعلق ابھرتے ہوئے منظر سے آگاہی اور شعور حاصل ہوتا تو کشمیری مسلمان از خود اہم ترین صورت حال کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے کہا کہ سندھو صاحب جب تک کسی بیچ کو اس کے لئے تیار نہ کیا جائے، اگر سرا ئیڈنٹ ہیری ذہنی طور پر تیار نہ ہوتا تو وہ ماونٹ ایورسٹ کو فتح نہ کرتا۔ مثبت نتائج کے حصول کے لئے مثبت سوچ و فکر کو پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ آپریشن جبرالٹر سے قبل کم از کم دو تین اقدامات بہت ضروری تھے :

(۱) پاکستان کے ذرائع ابلاغ کشمیر کی اہمیت کو اجاگر کرتے۔ بھارت کے ہاتھوں مقبوضہ جموں و کشمیر کے عوام کی معاشی سیاسی محرومیوں کو وادیٔ کشمیر کے مسلمانوں کے سامنے رکھا جاتا - نیز ان کو بتایا جاتا کہ بھارت ان کے ساتھ کیا کیا ناانصافیاں کر رہا ہے اور یہ بھی بتایا جاتا کہ بھارت ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء کی قراردادوں سے، جو یو این او نے پاس کی تھیں، سے کیوں اجتناب کر رہا ہے اور آئندہ اس کے عزائم کیا ہیں ؟ جب تک زمین کو کسی فصل کے لئے تیار نہ کیا جائے تو اس فصل کے بیج مطلوبہ نتائج نہیں دے سکتے اس تمام صورت حال سے بھارتی حکومت نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور وادیٔ

کشمیر کے مسلمانوں کی ذہنی تیاری کے لئے مطلوبہ سامان اور ذرائع مہیا نہ کئے جس کے نتیجے میں آپریشن جبرالٹر کی صورت میں وادیٔ کشمیر کے لوگوں نے ہی آپریشن جبرالٹر کا اتنا ساتھ نہ دیا جتنی کہ ان سے توقع کی جا رہی تھی۔

(۲) دوسری بات جو اپنی نوعیت میں بہت اہم ہے وہ یہ ہے کہ آپریشن جبرالٹر کو جی ایچ کیو کے اندر بیٹھ کر تیار تو کر لیا گیا لیکن ہماری خارجہ وزارت نے عالم اسلام بالخصوص اور دیگر ممالک بالعموم کا دورہ نہ کیا اور بھارت کی وعدہ خلافیوں، مکر نیوں، بے وفائیوں اور کشمیری مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے ظلم و ستم سے پردہ نہ اٹھایا۔ یوں عالم اسلام اور دیگر دنیا ۱۹۶۵ء کی جنگ کی اصل وجوہات کو نہ سمجھ سکی۔ الٹا پاکستان کو تباہ کن نتائج سے نوازا گیا۔ جناب کے ایچ خورشید نے کہا "سندھو صاحب! جنگ اس وقت ہوتی ہے جب دونوں فریق اپنے اپنے سیاسی مقاصد اور پُر امن ذرائع یعنی مذاکرات اور خارجی پالیسی کا کسی معاملہ کے بارے میں بین الاقوامی اخلاقی امداد کے حصول میں ناکام ہو جائے۔ اگر بین الاقوامی پلیٹ فارم پر مسئلہ کشمیر کی حساس نوعیت پاکستان کے لئے اس کی ضرورت ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء کی قراردادوں کو آئینی پروپیگنڈہ مشینری کا موضوع بناتے نشر و اشاعت کرتے، اور بین الاقوامی اخلاقی امداد کے حصول میں کامیاب ہوتے تو باوجود اس حقیقت کے کہ جنگ ہم پر مسلط کی گئی تھی تو اس جنگ میں وادیٔ کشمیر کا جتنا متنازعہ علاقہ ہم نے حاصل کر لیا تو بین الاقوامی دنیا ہم کو کم از کم اس علاقے سے دست بردار نہ ہونے کو کہتی بلکہ بھارت پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی اور مجبور کرتی کہ وہ سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عمل کر کے مقبوضہ جموں و کشمیر میں رائے شماری کراتی۔

۳۔ تیسری وجہ جو ہماری ناکامی کا باعث بنی، وہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران جناب ایوب خان مرحوم کی کابینہ کی باہمی چپقلش تھی۔ وزراء ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر تلے ہوئے تھے اور اس میں کچھ عناصر ایسے بھی تھے۔ قطع نظر اس کے کہ ایوب خان کی ناکامی پاکستان کی ناکامی تھی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہم جذباتی لوگ ہیں اور ہماری قوم بھی جذباتی ہے۔ خوبصورت نعروں کی دل کشی کے آئینہ میں بہت جلد اُتر جاتی ہے جب کہ قومی معاملات پر سوچ ٹھوس مثبت اور ایک پالیسی کے تحت ہونی چاہیے۔ انھوں نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ سے قبل ۱۹۶۲ء میں بھی پاکستان کو ایک اہم موقع ملا تھا جب بھارت علاقائی چوہدری کے خود ساختہ تصور میں مبتلا چین کے ساتھ دست و گریباں ہوا تھا تو ہمارے عظیم ہمسایہ ملک چین کی مسلح افواج نے بھارت کی مسلح افواج کو ہانک کر اپنے علاقے میں لے گئے۔ تو یہ موقع تھا جب میں نے جناب صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان سے بات کی اور مشورہ دیا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کو مقبوضہ جموں و کشمیر پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ (یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے یکم مئی ۱۹۵۹ء کو آزاد جموں کشمیر صدر کی حیثیت سے ایک پُر وقار تقریب میں حلف اٹھایا تھا اور اگست ۱۹۶۴ء تک اس عہدہ پر فائز رہے) جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے بتایا کہ جناب صدر فیلڈ مارشل ایوب خان نے میرے اس مشورے کو نظر انداز کر دیا اور ہنس پڑے جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے بتایا کہ موصوف صدر پاکستان نے ان کی اس تجویز سے اتفاق تو کیا لیکن امریکہ اور روس کے دباؤ کے تحت اس موقع سے فائدہ اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی۔

جہاں تک زرعی اور صنعتی اصلاحات کا تعلق ہے تو اس پر جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ یہ اصلاحات مصنوعی اور جعلی ہیں۔ ان اصلاحات سے جو مقاصد مطلوب تھے وہ حاصل نہ ہو سکے اس لئے کہ آرڈیننس کی رو سے جو بڑے بڑے جاگیردار متاثر ہوتے ان جاگیرداروں نے اصلاحات کی آمد سے قبل ہی اپنی زائد اراضی کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں منتقل کر دیا۔ یوں یہ اصلاحات نقش بر آب ثابت ہوئیں۔

صنعتی اصلاحات پر اظہار خیال کرتے ہوئے جناب کے ایچ خورشید نے کہا کہ ان اصلاحات سے ملکی پیداوار میں اضافہ کی بجائے کمی واقع ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن سے صنعتی یونٹ بحق سرکار حاصل کئے گئے ان کے انتظام کو سرکاری افسروں کے سپرد کر دیا گیا بلا لحاظ اس کے کہ آیا وہ افسر متعلقہ یونٹ کو چلانے کی مطلوبہ اہلیت سے بہرہ ور ہے یا نہیں۔ یوں سرکاری ملازموں نے ان صنعتی یونٹوں کو اپنے کنٹرول میں لینے کے بعد ان صنعتی یونٹوں کو چلانے کی بجائے لوٹنا شروع کر دیا اور کئی افسر ایسے بے باک ثابت ہوئے کہ انھوں نے پوری مشینری کی مشینری ہی اٹھا کر کہیں منتقل کر دی۔

انھوں نے ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کی ایک رائس مل کا حوالہ دیا۔ یہ رائس مل جی ٹی روڈ ایمن آباد پر واقع تھی۔ اس رائس مل کو قبضہ میں لینے سے قبل اس کے مالک کراچی کا ایک مشہور خاندان پراچہ سے تعلق رکھنے والا کریم بخش تھا اور منتظم بھی یہی کریم بخش۔ جب یہ رائس مل قبضہ میں لی گئی تو اس مل کا معاوضہ ادا کرنے میں کم از کم چھ ماہ لگے اور اس چھ ماہ کے دوران رائس مل کی مشینری عدم توجہی کا شکار ہو کر ناکارہ ہو گئی۔ حکومت کی طرف سے جو منتظم آیا اس نے چھ ماہ میں مفت تنخواہ حاصل کی لیکن مشینری اپنے سیزن میں کوئی پیداوار نہ دے سکی۔ یہی حال لیپٹے

پاکستان کی صنعتی اصلاحات کا تھا - انھوں نے کہا کہ ان اصلاحات سے ملکی پیداوار کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور پہنچے گا - جناب کے ایچ خورشید مرحوم کو جو سیاسی بصیرت حاصل تھی اور جس سے اس مسئلہ پر انھوں نے جس رائے کا اظہار کیا تھا وہ سو فیصد درست ثابت ہوئی ۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم سے رخصت کی اجازت چاہی - ڈرائنگ روم سے نکلنے سے قبل ہم نے خورشید حسن خورشید سے وعدہ لیا کہ وہ اپنی اولین فرصت میں ہماری دعوت پر گوجرانوالہ اور گکھڑ تشریف لائیں جو انھوں نے منظور کی، لیکن کہا کہ جوں ہی مجھے وقت ملا میں ضرور آپ کے پاس آؤں گا - اس سال کے دوران ان سے ہماری متعدد ملاقاتیں ہوئیں - سال ۱۹۷۵ء میں فروری میں وہ لاہور سے آزاد کشمیر جا رہے تھے تو انھوں نے حاجی علی اکبر اولمپک ٹریول کے مالک کو ٹیلی فون کیا کہ میں مظفر آباد جا رہا ہوں - حاجی علی اکبر نے ان کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دی جو انھوں نے منظور کی - حاجی علی اکبر موصوف نے محمد قریشی نعیم کو اپنے پاس بلایا - جناب کے ایچ خورشید کی آمد کے متعلق آگاہ کیا تو محمد قریشی نعیم نے ضلع کچہری گوجرانوالہ میں آکر ہم کو بتایا تو ہم بھی فرطِ محبت سے اولمپک ٹریول پہنچے - ابھی پانچ منٹ ہی نہ گزرنے پائے تھے جناب کے ایچ خورشید تشریف لے آئے ۔

اس موقع پر پریس کانفرنس سے خطاب کا بھی انتظام کیا گیا - اس پریس کانفرنس سے ہمارے صحافی دوست نوائے وقت سے جناب شاہ جہان صاحب، روزنامہ مشرق کے ملک محمد اکرم، پاکستان ٹائمز کے جی ڈی بھٹی، ڈان کے کیف صہبائی، روزنامہ جنگ کے راشد بزمی مرحوم اور دیگر اخبار نویس موجود تھے - جناب کے ایچ خورشید مرحوم آئے - ہم نے اور دیگر حاضرین نے چائے پی - اس کے بعد جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس خطاب میں جناب کے ایچ خورشید نے

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی زراعتی اور صنعتی اصلاحات پر سخت تنقید کی اور کہا کہ اگر مقاصد کے تعین اور حصول کے یقین کے بغیر جو بھی اقدامات کئے جائیں وہ سب بے مقصد اور بلا جواز ہیں - انھوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے عوام کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کی جا رہی ہے البتہ جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ تنقید و تنقیص سے خالی نہیں - انھوں نے حکومت کو خبردار کیا کہ اگر اتھل پتھل کا یہی دور جاری رکھا گیا تو پاکستان کی معیشت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا ۔

جزوی اقدامات سے ملک کے اندر عام آدمی کی فلاح کے لئے انقلاب نہیں برپا کیا جا سکتا - پاکستان کو سیاسی اور معاشی تنظیم نو کی ضرورت ہے اور یہ تنظیم اسلام کے اصول و ضوابط کے دائرہ کار کے اندر رہ کر کی جائے جو نظم اور ترتیب حکومت نے اختیار کر رکھی ہے اس سے لوٹ کھسوٹ کا دائرہ وسیع تر ہو جائے گا - انھوں نے مزید کہا کیا کہ ایسی جزوی اصلاحات سے پاکستان کے اندر اسلامی قوتیں جلد اکٹھی ہو جائیں گی جس سے ملک بدنظمی، افراتفری اور بے راہ روی کا شکار ہو جائے گا اور آخر میں مارشل لاء بھی ملک کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے ۔

میرے صحافی دوست اس پریس کانفرنس میں کہے گئے الفاظ کے چشم دید گواہ ہیں کہ جو بات جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے کہی وہ جلد ہی سچ ثابت ہوئی پاکستان کی سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے خلاف مختلف جماعتوں کے سربراہوں کے درمیان ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہو گیا - جو آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ بھٹو مرحوم کے خلاف تحریک نظام مصطفےٰ کے نام پر ایک اتحاد وجود میں آیا جو پی این اے کہلایا۔

سال ۱۹۷۶ء میں متعدد واقعات رونما ہوئے جن پر وقتاً فوقتاً جناب کے ایچ خورشید مرحوم سے ملاقاتیں ہوتی رہیں - اس سال کے آخر میں ہم نے جناب

کے ایچ خورشید مرحوم سے پوچھا کہ کیا آپ بھی اس تو جماعتی اتحاد میں شامل ہو رہے ہیں یا نہیں۔ یہاں اس بات کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہیں کہ میں اس وقت تحریک استقلال کا ضلعی سیکرٹری جنرل اور صوبائی مجلس عاملہ کا رکن تھا۔ تحریک استقلال جناب ایئر مارشل اصغر خاں کی قیادت میں پی این اے کے اتحاد میں شامل تھی اور پی این اے کے اجزائے ترکیبی میں شامل جماعتوں کے کارکنوں کو تحریک میں حصہ لینے کے لئے ہدایات جاری کر دی گئی تھیں لہذا میں اور میری جماعت تحریک میں حصہ لینے کے لئے آخری حکم کا انتظار کر رہی تھی۔

اس پس منظر میں جب قائد کشمیر سے سوال کیا کہ آپ اس تحریک کے اغراض و مقاصد سے متفق ہیں یا نہیں؟

انھوں نے جواب دیا کہ اُن کی جماعت (جموں کشمیر لبریشن لیگ) نے پی این اے کی مرکزی کمیٹی کے صدر کو درخواست ارسال کی ہے کہ ہم کو بھی اس اتحاد میں شامل کر لیا جائے کیونکہ اس تحریک کے اغراض و مقاصد کو جس طرح اچھالا جا رہا تھا اور عوام کو اس بات کا یقین دلایا جا رہا تھا کہ یہ تحریک کے اغراض و مقاصد کو جس طرح اچھالا جا رہا تھا اور عوام کو اس بات کا یقین دلایا جا رہا تھا کہ یہ تحریک خالصتاً نفاذ مصطفیٰ کی تحریک ہے۔ بالفاظِ دیگر پی این اے ایک مستقل اور پائیدار اتحاد ہے۔ یہ اتحاد اسلام کے نفاذ تک منتشر نہیں ہوگا۔ کوئی جماعت اس اتحاد سے الگ نہیں ہوگی ظاہر ہے کہ پاکستان کا قیام ہی نفاذِ اسلام کے لئے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس جدوجہد میں شریک نہ ہوں۔

انھوں نے جو درخواست پی این اے کے سربراہ کو بھیجی تھی۔ اس کی ایک نوٹو کاپی ہم کو دکھائی۔ ہم نے اس نوٹو کاپی کو پڑھا۔ اس تحریک میں لکھا تھا کہ جموں کشمیر لبریشن لیگ اس تحریک میں حصہ لینے کو تیار ہے بہ شرط اس کے کہ

اگر یہ اتحاد واقعتاً اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے بغیر نہ ٹوٹے نیز اسلامی نظام کو واقعتاً رائج کر دیا جائے۔ مزید برآں اس تحریک میں اس تحریک کے قائدین خود پہل کر کے گرفتاریاں پیش کریں۔ جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کریں۔ کارکنوں کو قربانی کا بکرا نہ بنایا جائے جیسا کہ پہلے ہوتا رہا ہے۔ ان کی بھیجی ہوئی اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر درخواست ارسال کی جس کا مضمون وہی تھا، جو پہلی درخواست کا تھا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا بلکہ جناب کے ایچ خورشید مرحوم کو یہ معلوم ہوا کہ ان کی درخواست امریکہ کے اشارے پر مسترد کی گئی ہے۔ بایں ہمہ انھوں نے اپنے کارکنوں کو ہدایت دی کہ ملک کے اندر نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیں۔

۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جناب کے ایچ خورشید مرحوم گوجرانوالہ آئے۔ انھوں نے حاجی علی اکبر کے دفتر جماعت کے کارکنوں سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں محمد تریش لعیم، شیخ بشیر احمد کے علاوہ دیگر سینکڑوں کارکن بھی موجود تھے۔ اولمپک ٹریولز کے ملحق فکرِ قائدِ عوام کے صدر رانا اعجاز احمد ایڈووکیٹ اور احمد رضا قصوری بھی آئے ہوئے تھے۔ فکرِ قائدِ عوام ایک تنظیم تھی جو ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے فکر کو عوام میں پھیلا رہی تھی احمد رضا قصوری سابق ایم این اے اس تقریب کے مہمانِ خصوصی تھے جب صدارت اس تنظیم کے صدر مذکور فرما رہے تھے۔ احمد رضا قصوری کے والد کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ نواب محمد احمد خاں کے قتل میں جو ایف آئی آر درج ہوئی تھی اس میں ذوالفقار علی بھٹو نامزد قاتل تھے۔ وقت کے وزیراعظم نے تحقیق و تفتیش کے بعد ایف آئی آر کو مع مقدمہ داخل دفتر کرا دیا تھا۔

احمد رضا قصوری کے گھر بیگم بھٹو اظہارِ تعزیت کے لئے آئیں اور ہر ممکن طریقہ سے قصوری خاندان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور احمد رضا قصوری کو پی پی کی مدد

حمایت پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح بادل نخواستہ وہ تحریک عوام میں شامل ہو گئے جناب کے ایچ خورشید نے اپنے کارکنوں سے خطاب کے بعد پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس موقع پر جناب شاہد چشتی جو اس وقت روزنامہ مرکز اسلام آباد کے نامہ نگار ہیں، نوائے وقت کی طرف سے آئے۔ اظہر جاوید مجید معاون نامہ نگار روزنامہ مشرق، راشد بزمی مرحوم، خلیل الرحمان ضیا، محمد افضل بھجوعہ اور کیف صہبائی موجود تھے۔ سیاسی صورت حال کچھ یوں تھی۔ پی این اے وجود پذیر تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو بے لگام گھوڑے کی طرح دندنا رہے تھے۔ پی این اے اور باہر کی جماعتیں انتخابات کا مطالبہ کر رہی تھیں۔

وجہ یہ تھی کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کو نمائندہ انتخابات نہیں کہا جا رہا تھا ان انتخابات کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوا تھا۔ کچھ حلقے تو قومی اسمبلی کو بھی غیر آئینی قرار دے رہے تھے اور یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ موجودہ یکی اسمبلی کو آئین بنانے کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ تحریک استقلال پاکستان کے صدر جناب اصغر خان کا شروع سے یہی استدلال تھا۔ جناب خان عبدالولی خان کی منطق بھی یہی تھی۔ یوں بھی آئینی مدت پوری ہو چکی تھی۔ بدیں امر انتخابات کا مطالبہ بجا جائز تھا۔ پورے ملک میں انتخابات کے لئے مطالبات جاری تھے۔

معاہدہ شملہ اور کے ایچ خورشید

جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کی اسمبلی کو آئین بنانے کا کوئی اختیار حاصل نہ تھا اس کے لئے نئے انتخابات کی ضرورت تھی۔ آئین بنانے کے لئے آئین ساز اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوتے تو بے پناہ اور پیچیدہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جبکہ یہ کوئی بعید نہ تھا

کر صوبے ڈھیلی ڈھالی فیڈریشن تک رسائی کر لیتے۔ بہرحال جو بھی ہوا جیسے ہوا نہ ہونے سے بہتر ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک میں نئے انتخابات کرا دیئے جائیں۔ بہتر ہوتا کہ آئین کی تدوین کے بعد انتخابات کرا دیئے جاتے لیکن ہماری سیاسی روایت کچھ مختلف ہے۔ جو کرسی پر براجمان ہوتا ہے وہ ملکی سوچ کی بجائے ذاتی سوچ کو ترجیح دیتا ہے۔ انھوں نے کہا اب بلا تاخیر ملک میں عام انتخابات کا اعلان کر دیا جائے اور قوم جس کو پسند کرے مسند صدارت و وزارت عظمیٰ پر بٹھا دے۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ حکومت نے مسئلہ کشمیر کے حل کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ ساری کی ساری اداکاری کی ہے۔ مسئلہ کشمیر پر ملک میں ہیجان برپا کر کے عام آدمی کو تو اس مخمصے میں ڈال دیا کہ ذوالفقار علی بھٹو سے بھی زیادہ کوئی مقدمہ کشمیر کے لئے کام کر سکتا ہے؟ یہ صرف زبانی جمع خرچ تھا۔ انھوں نے کہا موجودہ حکومت نے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی بجائے الجھانے کی کوشش کی ہے معاہدہ شملہ ۱۹۷۲ء بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے سیز فائر لائن کی جگہ اصلی کنٹرول لائن نے لے لی ہے ACTUAL CONTROL LINE کا مطلب بالفاظ دیگر بین الاقوامی سرحد ہے اور یوں پاکستان مسئلہ کشمیر سے دست کش ہو چکا ہے۔

انھوں نے کہا کہ وہ کسی صورت کشمیریوں کے درمیان مستقل سرحد نہیں بننے دیں گے اور نہ ہی مانیں گے۔ دیوار برلن کی طرز پر کوئی دیوار کشمیریوں کے اس اور اُس پار حائل نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے کہا ہزار سال کا نعرہ لگانے والے معاہدہ شملہ میں محض باہمی مذاکرات یعنی دو طرفہ مذاکرات کی دستاویز پر مہر تصدیق ثبت کر آئے۔ آئندہ پاکستان یو این او کا دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹا سکتا۔ ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادیں بھی ہمارے کام نہیں آ سکتیں کیونکہ ہم نے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے

باہمی مذاکرات کا پابند کر لیا ہے۔ باہمی مذاکرات کی زنجیر اپنے پاؤں سے باندھ لی ہے یہ بھارت کی صوابدید پر مبنی ہے کہ وہ مذاکرات کرے یا نہ کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں ملکوں نے تنازعہ کشمیر کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے کا نازک ترین پہلو تو یہ ہے کہ کشمیریوں کو کسی نے نہیں پوچھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے حکومت پر واضح کیا کہ وہ معاہدۂ شملہ کو نہیں مانتے اور نہ آئندہ کسی معاہدہ کو مانیں گے جس میں کشمیریوں کو فریق نہ بنایا جائے۔

پریس کانفرنس ختم ہوئی تو چائے پی اور ہمارے صحافیوں نے سوالات پوچھے جس کا انھوں نے مدلل اور جامع جواب دیا۔ ساتھ ہی احمد رضا قصوری کے خطاب کی آواز آ رہی تھی کہ ہم نے قائد عوام کی فکر کا دامن تھام لیا ہے اس فکر کو ملک بھر میں پھیلا کر دم لیں گے۔) جناب کے ایچ خورشید مسکرا کر بے ساختہ بولے "نواب محمد احمد خاں کے قتل کے بعد احمد رضا قصوری کو فکر عوام کا عارضہ کچھ زیادہ ہی لاحق ہو گیا ہے" جس طرح ہم کو شملہ معاہدہ کے بعد پاکستان کی شہ رگ مقبوضہ کشمیر کی فکر ستائے جا رہی ہے، سندھو صاحب آپ کو کون سی فکر نے گھیر لیا ہے جو چپ ہو گئے ہو"

میں نے کہا "جناب "قائد کشمیر، فکر پاکستان" تو کے ایچ خورشید مسکرا دیئے۔

"قارئین کرام! قائد کشمیر نے ہم سے ہاتھ ملایا اور وہ اپنی اگلی منزل کو روانہ ہوئے اور ہم اپنی کو۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق مرحوم و مغفور نے ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار سے معزول کر دیا تو نئے دور کا آغاز ہوا۔ تقریباً ۱۰ یوم بعد میں اور محمد قریش نعیم ایڈووکیٹ جناب کے ایچ خورشید کے پاس گئے۔ ان سے ہماری ملاقات، رٹز روڈ ان کے

دفترِ وکالت میں ہوئی۔ وہ مطالعہ کر رہے تھے۔ ہم اسلام وعلیکم کے بعد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مطالعہ سے فارغ ہوئے تو انھوں نے چائے منگوائی جو ہم نے پی۔ کے ایچ خورشید ہم سے مخاطب ہوئے کہ آپ مارشل لا لگا کر آئے ہیں۔ ہم نے نفی میں سر ہلایا تو وہ مسکرا دیئے کہنے لگے :

"سندھو صاحب! آپ نے تو دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں گرفتاری بھی پیش کی، لہٰذا یہ سب کچھ آپ ہی نے کیا ہے" ہم مسکرا دیئے تو وہ پھر مخاطب ہو کر بولے :

"کتنا اچھا ہوتا کہ بھٹو صاحب انتخابات کی دھاندلی کو کھلے دل سے تسلیم کرتے اور نئے سرے سے غیر جانب دارانہ انتخابات کرا دیتے۔ اب افسوس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ جنرل صاحب اعلان شدہ وقت کے اندر انتخابات کرا دیں"

۱۹۷۷ء سے لے کر ۱۹۸۱ء تک جناب کے ایچ خورشید مرحوم سے لاہور اور گوجرانوالہ میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ میں ہر بار ان سے ملنے کے لئے بے چین و بے قرار رہتا تھا۔ ہر ملاقات میرے ذہنی شعور کے نئے افق سے روشناس کراتی، چونکہ میں اس بات سے بھی واقف تھا کہ جناب کے ایچ خورشید کو بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی ہمشیرہ کی رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے اس لئے وہ اپنے اندر تحریک پاکستان کی پوری کہانی سینے میں لیے ہوئے ہیں اور قائداعظم کی شخصیت کے متعلق ایسے گوشوں سے پردہ اٹھا سکتے ہیں جن سے آج تک پاکستانی قوم ناآشنا اور ناواقف ہے اس لیے میں ان کو کریدتا رہتا تھا کہ وہ ایسے گوشوں اور کونوں سے واقفیت کرائیں تاکہ کسی نہ کسی طرح کتاب کا حصہ بن کر قوم کے سامنے آجائیں چنانچہ وہ ایسے واقعات سے روشناس کراتے جن کا قوم کو علم نہ تھا۔ ایسے واقعات کو دوسرے

باب میں رقم کروں گا تاکہ کتاب کی ترتیب اور نظم میں کسی قسم کی بے قاعدگی پیدا نہ ہو
اس باب میں کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی یادوں کو سمیٹ دوں جو ان کے ساتھ واقع
ہوئیں۔ اپنے ماضی کا وہ حصہ جو ان کے ساتھ گزرا اُس کو اس میں اختصار سے
بیان کر سکوں۔

قارئین کرام! بار بار ایک چیز میرے دل کو کھٹکتی ہے وہ یہ کہ اسلام کی بات
تو ہم کرتے ہیں لیکن عمل پیکر اور نمونہ بن کر سامنے نہیں آتے۔ یہ زبان یا قول ہیں جو
منطق سے ہم گفتار کرتے ہیں۔ بلکہ عمل، سیرت اور کردار ہے جس سے دوسرے مسلمانوں
کو یا اسلام سے باہر لوگوں کو ذہنی طور پر متاثر کیا جا سکتا ہے۔ میری یہ ذہنی کوشش
ہے کہ میں غلو سے احتراز کروں حقیقت پسند بن کر، کوئی بھی شخصیت قطع نظر اس کے
ملک اور مذہب کے جس میں اسلام کی دی ہوئی ہدایات پر عمل پایا جائے اس کو پیش
کروں۔ پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ کے سابقہ چیف جسٹس جناب کارنیلیس اپنے عظیم عہدہ
سے ۱۹۶۸ میں ریٹائر ہوئے۔ اسی وقت سے وہ لاہور فلیٹیز ہوٹل کے ایک کرائے
کے کمرہ میں رہائش پذیر ہیں۔ اس وقت جب میں یہ لکھ رہا ہوں تو وہ بسترِ مرگ پر
ہیں۔ ان کو حکومتِ پاکستان نے علاج معالجہ کے لئے روپیہ دینے کی پیش کش کی
ہے مگر انھوں نے نہ منظور کیا۔ ان کا کوئی ذاتی مکان تک نہیں۔ ملازمت میں تھے
تو سرکار کی طرف سے رہائش میسر تھی۔ جب ریٹائر ہوئے تو کرایہ کے کمرہ میں رہائش
اختیار کر لی۔ کتنی عظمت اور خود داری ہے۔ کردار اور سیرت کی بلندی و چوٹی ہے استقلال
اور استقامت ہے۔ دولت سے بے نیازی اور بے پروائی اور بے پروائی ہے۔ کاش
کہ پاکستان کے سیاست دان اور ہماری انتظامیہ، مقننہ اور JUDICIAL
یا (JUDICIAL HIERARCHY)
اس سیرت و کردار پر عمل پیرا ہوتی تو پاکستان صحیح معنوں میں قائدِ اعظم کے خواب کی تعبیر

حاصل کرلیتا۔ یہاں میں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ بھارت کے ایک سابقہ صدر صدارت کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے تو ان کے پاس سوائے پنشن کی رقم کے سوا کچھ نہ تھا جو بھی ان کو ماہانہ حکومت بھارت کی طرف سے ملتا تھی وہ کسی شہر کے ماڈل ٹاؤن یا کسی اہم علاقے میں رہائش پذیر نہیں ہو سکتے تھے۔ انھوں نے ایک ہندو سے ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا اور اس میں رہائش اختیار کرلی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مہنگائی بڑھتی گئی مگر پنشن کی رقم میں اضافہ نہ ہو سکا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ مالکِ مکان نے مکان خالی کرنے کی دھمکی دے دی۔ چوں کہ رقم ناکافی تھی اور مکان خالی کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ اس مکان کو خالی کر دینے کی صورت میں پنشن کی رقم سے کہیں زیادہ ان کو مکان کا کرایہ دینا پڑتا۔ جسم وجان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے پیسہ کہاں سے آتا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مالکِ مکان نے رینٹ کنٹرولر سے مکان خالی کرانے کی ڈگری لے لی۔ اور اُن کا سامان باہر پھینک دیا۔

اب پتہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ اس کردار اور سیرت صبر اور استقامت کو سلام۔ قارئین کرام میں نے پاکستان کے سابقہ وزیرِ اعظم جناب محمد حسین سہروردی کی مثال بھی پیش کی ہے۔ جناب محمد حسین سہروردی شہید پاکستان کے وزیرِ اعظم جن کا دورِ اقتدار ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک محیط ہے۔ یہ کردار یہ سیرت پاکستان کے مسلمانوں کی سیرت و کردار ہوتا تو پاکستان کی تاریخ ہی مختلف نہ ہوتی بلکہ پاکستان کی عظمت کے کرۂ ارض پر آباد ممالک کے افاق پر نمودار ہوتے۔ حقیقتاً اسلام کا قلعہ بن کر عالمِ اسلام کے پاسبان بنتے

ایب گرین زِگ

جناب کے ایچ خورشید مرحوم بھی اسلام کی عظمتوں کے مجسمہ اور پیکر تھے۔ آج کی دنیا میں (ABGRENZUNG دیواروں کی تعمیر) کی پالیسی کارفرما ہے۔ ہم نے اپنے درمیان یہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ گل برگ بسائے۔ ماڈل ٹاؤن بنائے، سیٹ لائٹ ٹاؤن آباد کئے۔ ان کے اندر رہنے والے اپنے ہمسایوں کے دکھ درد سے نا واقف ہیں۔ بالفاظِ دیگر تو بڑے جاگیرداروں کی کوٹھیوں کے درمیان دیوارِ برلن تعمیر ہے۔ جس اسلام کے ہم داعی ہیں۔ اس کا پیغام یہ ہے کہ ہم ایب گرین بن جائیں، نہیں ہرگز نہیں قومیں جو ترقی سے آشنا ہوتی ہیں اور بڑی بڑی منزلوں اور مرحلوں پر کمند ڈالتی ہیں۔ ان کے اندر ایثار و قربانی، صبر و استقامت کے پہاڑ جنم لیتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ افسوس کہ ہم نے اپنی زندگی اور دوسرے کی موت کی پالیسی اپنالی۔ اس طرح ہم باہم دست و گریباں ہوئے۔ لڑتے لڑتے خطتوں سے کھڈوں میں جاگرے۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ جناب کے ایچ خورشید بھی ان شخصیتوں میں سے تھے جو ایثار و قربانی، صبر و استقامت کی دولت سے مالا مال تھے۔ وہ ہر ایک کے کام آتے

DEA DOGUERY

وہ (OECDOGUERY) اور (DEADOGUERY) کے قائل نہ تھے اور نہ میں ہوں لیکن کسی کے کردار کے اندر پائے جانے والے اوصاف کو ہمیشہ درمیان کرنا اپنے اسلاف اور اخلاف کے کارناموں کو زندہ رکھنا خود کو زندہ رکھنے کے برابر ہے۔ آج ہم قائدِ اعظمؒ کے اوصافِ حمیدہ کو بار بار پیش کرتے ہیں تاکہ قوم کا ہر فرد ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرے۔ جناب کے ایچ خورشید مرحوم کے

اوصاف اور خوبیوں کو پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خوبیوں کا اردو، ڈوگری
میں ... شرت کے مصرع کی دھن سے مختلف نہیں ہوتی۔ اگر غلط ترکے ترتیب
سے منتی ترتیب کا بہت بڑا ڈکٹیٹر انگلی کا بادشاہ ہوتا۔ پاکستان کا یہ خیال
وزیر اعظم پاکستان ہوتا۔ اگر دولت معیار ہوتی تو آج میں ... ہوتا
لیکن ایسا نہیں ہے اور نہ ہوگا۔

جسٹس دین محمد مرحوم کی برسی

اس طوالت سے معذرت چاہتے ہوئے ہم نے پنجابی ادبی مرکز گوجرانوالہ کے زیر اہتمام جناب جسٹس دین محمد اولین گورنر سندھ اور وزیر امور کشمیر کی برسی پر جناب کے ایچ خورشید سے رابطہ کیا کہ وہ اس تقریب میں بطور مہمانِ خصوصی شامل ہوں۔ علاوہ ازیں جناب کلیم اختر جو ممتاز صحافی ہیں ان کو بھی دعوت دی کے ایچ خورشید نے دعوت قبول کی۔

اس تقریب کا اہتمام ۳۱ جنوری ۱۹۸۳ء بروز سوموار بوقت اڑھائی بجے سہ پہر بمقام پریس کلب سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ ہوا۔ جناب کے ایچ خورشید مرحوم بروقت تشریف لائے اور اس تقریب کا آغاز ہوا۔ اس تقریب میں راقم نے بھی حصہ لیا۔ اس تقریب کے اختتام پر جناب کے ایچ خورشید اور دیگر مہمانوں کو شام کا کھانا دیا گیا۔ جناب کے ایچ خورشید نے اس موقع پر جو تقریر کی وہ یہ ہے کہ جناب جسٹس دین محمد مرحوم نے عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی کے لئے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں وہ دنیا کی انصاف پسند قوموں کو حق پرستی کی طرف مائل کرتی رہیں گی۔ ان خیالات کا اظہار گزشتہ روز آزاد کشمیر کے سابق صدر کے ایچ خورشید نے مقامی پریس میں پنجابی مرکز کے زیر اہتمام سابق گورنر سندھ جسٹس

شیخ دین محمد مرحوم کی برسی کے سلسلے میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

انھوں نے کہا کہ شیخ دین محمد مرحوم نے قومی تعمیر پاکستان کی سالمیت اور یک جہتی کے لئے جو کردار ادا کیا ہے، وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ انھوں نے اسلامی قانونی، سیاسی اصولوں اور اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے جو ان تھک جدوجہد کی ہے، وہ ان کی حسن تدبر، حق پرستی اور اعلیٰ فہم و فراست کا بین ثبوت ہے۔ اس تقریب میں صدارت کے فرائض شیخ بشیر احمد نے انجام دیئے۔ مہمانِ خصوصی کے ایچ خورشید تھے جبکہ اعزازی مہمان کی نشست پر شیخ دین محمد کے صاحبزادے شیخ محمد اسلم ایڈووکیٹ براجمان تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض امین خیال نے انجام دیئے جب کہ پروفیسر افتخار احمد ملک، محمد دین ، عزیز لدھیانوی، اعجاز ملک اور جان کشمیری نے شیخ دین محمد کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔

شیخ محمد اسلم ایڈووکیٹ نے اپنے والد شیخ دین محمد کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ شیخ بشیر احمد صدر مجلس نے تقریر کرتے ہوئے شیخ دین محمد کی اخلاقی صفات کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا اور شیخ دین محمد اکیڈمی کے "قیام کا اعلان کیا جس کی سرپرستی شیخ محمد اسلم ایڈووکیٹ کے سپرد کی گئی۔

انھوں نے شہر کے ادبی حضرات اور نامور اہل قلم کو اس اکیڈمی میں شرکت کی دعوت دی "تاکہ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کر کے ان سے نوجوان نسل کو آگاہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں دیگر مقررین میں جسٹس ریٹائرڈ چوہدری محمد صدیق ممتاز صحافی کلیم اختر، پروفیسر محمد اکرم رضا اور غلام رسول سندھوا ایڈووکیٹ بھی شامل تھے (رپورٹ نوائے وقت)

نوٹ : یاد رہے کہ جسٹس دین محمد مرحوم باؤنڈری کمیشن کے رکن تھے

جس کا صدر ریڈکلف تھا۔ ہندوؤں کی طرف سے مہرچند مہاجن اور سکھوں کی طرف سے سرتیجا سنگھ اس کمیشن کے رکن تھے اور شیخ محمد اسلم ایڈووکیٹ جسٹس دین محمد کے صاحب زادے تھے۔ بوقت تقریر ان کے انتقال کو ایک سال ہو چکا ہے۔ اس فنکشن کے ختم ہونے کے بعد جناب کے ایچ خورشید نے بھی پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔

گھاس کا تنکا

انہوں نے کہا کہ جنرل ضیاء الحق سابق صدر پاکستان کو جلد از جلد انتخابات منعقد کرا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے سپرد کر دینا چاہیے۔ ۹۰ دن کے اندر الیکشن کرانے کا اعلان کیا تھا۔ جنرل صاحب نے نہ تو کسی کا احتساب کیا اور نہ ہی وقت پر انتخاب کرائے۔ انھوں نے جنرل ضیاء الحق پر شدید اور کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ سیاہ چن پر بھارت کی یلغار ہماری بے خبری کی علامت ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مسلح افواج سیاہ چن پر بھارتی حملہ سے ناواقف تھیں انھوں نے کہا درہ فونڈلا درہ سیالہ اور درہ گیانگ لا پر پاکستانی فوج تعینات ہے۔ انھوں نے بھارت کے عزائم کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہا اگر پاکستانی فوج ان دروں پر بروقت قبضہ کرتی تو بھارتی مسلح افواج ان دروں کے ساتھ ہماری شاہراہ قراقرم پر حملہ کر سکتی تھی۔

انھوں نے کہا کہ میں حکومت پاکستان اور عوام پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ بھارت کی اس مہنگی ترین مہم جوئی کے پیچھے بھارتی نقطہ نظر سے اہم مقاصد کارفرما ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان کی افغانستان میں مصروفیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شاہراہ قراقرم کو اپنے قبضہ میں لے کر براہ راست واخاں کی پٹی

تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے جہاں روسی افواج فروکش ہیں - یہ بہت خطرناک راستہ ہے جس پر بھارت چل رہا ہے - خدانخواستہ اگر بھارت کامیاب ہو گیا تو پاکستان کا اپنے عظیم ترین اور مخلص ترین دوست سے بری رابطہ و راستہ منقطع ہو جائے گا۔ یہ اقدام بھارت نے روس کے اشارے پر کیا ہے۔

جنرل ضیاء الحق کا یہ کہنا کہ سیاچن پر گھاس کا ایک تنکا (A BLADE OF GRASS) بھی نہیں اُگتا نہایت ہی غیر دانشمندانہ ہے - جو زمین بے آباد ہے اور پاکستان کی ملکیت ہے اس کو کیا بھارت کے حوالے کر دینا چاہیئے نہیں پاکستان کی سرزمین کا چپہ چپہ اور انچ انچ زمین ہمیں اپنی جان سے بھی عزیز ہے اور ہماری مسلح افواج کا یہ فرض ہے کہ وہ بھارتی فوج کو سیاچن سے نکال دیں

پریس کانفرنس ختم ہوئی تو ہم نے جناب کے ایچ خورشید کو خدا حافظ کہا اور وہ واپس لاہور روانہ ہو گئے -

۳۱ جنوری ۱۹۸۴ء کی اس تقریب کی خفیہ رپورٹ کے لئے پاکستان کی تمام خفیہ ایجنسیاں موجود تھیں اور اعلیٰ عہدے دار رواٹر لیس سیٹ لئے گھوتے رہے - میں اتفاق سے رفع حاجت کے لئے باہر آیا تو ایک انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے - میں نے ازراہِ مذاق کہا کہ اندر حکومت کے خلاف تقاریر ہو رہی ہیں -

میں اس وقت اُس انسپکٹر کا نام نہیں بتانا چاہتا - وہ اس وقت ایس پی کے عہدے پر فائز ہیں - وہ اپنے دیگر ساتھیوں کو لے کر گاڑی میں بیٹھا اور چلا گیا - اگلے دن یکم فروری کو اخبارات کے صفحہ اول پر خبر شائع ہوئی کہ جناب کے ایچ خورشید مرحوم غلام رسول سندھا ایڈووکیٹ (راقم) شیخ بشیر احمد اور شیخ

محمد اسلم ایڈووکیٹ مرحوم کے خلاف ۱۶ ایم پی او کے تحت مقدمہ درج کر لیا گیا ہے اور پولیس مصروف تفتیش ہے اور ملزمان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مار رہی ہے۔ ہم نے ایس پی کے دفتر سے ایف آئی آر حاصل کی تو پتہ چلا کہ گزشتہ روز کے انسپکٹر صاحب کی کارروائی ہے۔ جناب کے ایچ خورشید مرحوم کو ٹیلیفون کے ذریعے اطلاع دی تو وہ ہنسنے لگے۔ کہنے لگے کیا خوب تماشا ہے کسی کی برسی منانا بھی امن عامہ کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

کے ایچ خورشید مفرور قرار دیئے گئے

ہم نے ضمانت کے لئے درخواست نہ دی دانستہ تاخیر و دیر سے کام لیا تاکہ مقامی انتظامیہ ہم کو گرفتار کرے۔ پندرہ سولہ روز گزرے۔ تھانہ سول لائن کا ایس ایچ او ہمارے پاس آیا کہا آپ ضمانتیں کرا لیں تاکہ فائل مکمل کی جا سکے۔ ویسے آپ کو گرفتار نہیں کیا جا رہا۔ شیخ اسلم ایڈووکیٹ بڑے رعب و دبدبہ کے وکیل تھے۔ گوجرانوالہ کی جان تھے۔ اُن کے کہنے پر درخواست برائے ضمانت قبل از گرفتاری گزاری۔ اس وقت خضر حیات صاحب سیشن جج گوجرانوالہ تھے انھوں نے ہماری عبوری ضمانت لے لی اور آئندہ پیشی ۲۳-۳-۸۳ مقرر کر دی ۲۳-۳-۸۳ کو ایس ایچ او ریکارڈ لے کر پیش ہوا۔ جج صاحب کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ کے ایچ خورشید مرحوم مفرور ملزم ہیں۔ باقی سب حاضر ہیں اور شامل تفتیش ہوئے ہیں۔ جناب خضر حیات نے بڑا جامع فیصلہ لکھا جس میں کے ایچ خورشید مرحوم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور جسٹس دین محمد مرحوم کی خدمات کو خراج عقیدت۔ ہماری قبل از گرفتاری ضمانتیں کنفرم ہو گئیں۔ جج صاحب نے پی پی سے پوچھا کہ کیا پولیس کے ایچ خورشید کو گرفتار کرنے کے لئے لاہور گئی ہے

انسپکٹر نے نفی میں جواب دیا۔ جج موصوف مسکرائے اور کہا کہ وہ ہمیشہ مفرور ہی رہیں گے۔ ان کو گرفتار نہ کرسکو گے۔ آخری وقت تک وہ مقدمہ میں مفرور ہی رہے انھوں نے ضمانت کرانے کے لئے درخواست پیش نہ کی۔

کے ایچ خورشید کے نو نکات اور ایم آر ڈی

قارئین کرام! جناب ضیاء الحق شہید کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے، ۶ فروری ۱۹۸۱ء کو پاکستان کی سیاسی جماعتوں نے ایم آر ڈی کی صورت میں سیاسی اتحاد پیش کیا۔ تحریک بحالی جمہوریت نے کام شروع کیا۔ تحریک چلانے کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا۔ ایم آر ڈی کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس کراچی منعقد ہوا جس میں راقم نے بھی شرکت کی۔ خواجہ خیرالدین ایم آر ڈی کے سیکرٹری جنرل تھے۔ انھوں نے اجلاس میں تحریک کو شروع کرنے کی بجائے یہ مشورہ دیا کہ اس اتحاد کو اور وسعت دی جائے۔ نیز اس کو موثر بنانے کے واسطے اقدامات کئے جائیں۔ خواجہ صاحب نے جناب کے ایچ خورشید مرحوم سے رابطہ کرنے کے لیے ایم آر ڈی کی ہائی کمان پر زور دیا اور ہم سے بھی کہا۔ چنانچہ محمد قریشی نعیم اور راقم نے لاہور واپس آتے ہی ٹیلی فون پر ان سے رابطہ کیا تو انھوں نے ایم آر ڈی میں شمولیت کے سوال پر بات چیت کی دعوت دی۔

ہم ۹ ستمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور ان کی رہائش گاہ پر پہنچے تو جناب کے ایچ خورشید سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران خورشید مرحوم نے درج ذیل سوالات کئے اور بتایا کہ خواجہ صاحب مجھے دعوت دیں تو وہ کراچی چلے جاتے ہیں یا خواجہ صاحب لاہور آئیں تو ان سے ملاقات کرکے مجوزہ نکات پر ان کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر اتفاق رائے ہوگیا تو جموں کشمیر لبریشن لیگ ایم آر ڈی میں شمولیت

اختیار کرے گی ورنہ نہیں - وہ نقاط درج ذیل ہیں :

۱ - آزاد کشمیر کے صدر کی حیثیت کیا ہو گی - یعنی کتنے اختیارات کا مالک ہو گا - اس کو اختیارات حاصل بھی ہوں گے یا برائے نام صدر ہو گا۔

۲ - آزاد کشمیر کے صدر کو عوام کے ذریعے منتخب ہونے کے بعد اس بات کی اجازت دی جائے اور یہ اجازت آئینی اور قانونی ہو کہ آزاد کشمیر کا صدر بین الاقوامی فورمز میں مسئلہ کشمیر کو اٹھائے بلکہ آزاد کشمیر کے صدر کے ہمراہ حکومت پاکستان کا نمائندہ بھی شامل ہو۔

۳ - ایم آر ڈی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے کیا کام کرے گی - صرف وعدے ہی وعدے ہوں گے یا عملی طور پر کام بھی ہو گا - ا

انھوں نے کہا کہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کا خواہش مند ہوں، اس لیے کہ یہ پاکستان کی خالق جماعت ہے - انھوں نے مزید کہا کہ بہ صورتِ شمولیت وہ خواجہ خیرالدین کو آزاد کشمیر کے دورہ کی دعوت دیں گے اور وہ ان کے ہمراہ ہوں گے - جہاں تک نقطہ نمبر۲ کا تعلق ہے اس سلسلہ میں کے ایچ خورشید مرحوم نے کہا کہ آزاد کشمیر میں جتنے بھی صدور آئے ان کی حیثیت ایک کٹھ پتلی کی سی تھی - ان کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی تحریک پر مقبوضہ جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے کوئی سرانجام دے سکیں - انھوں نے کہا کہ ایوب خاں کے دورِ حکومت میں پاکستان کو دو بہترین مواقع میسر آئے تھے اور دونوں بار صدر ایوب خاں سے ملاقات کر کے حالات کے سازگار ہونے کے متعلق زور دیا اور یہ بھی مشورہ دیا کہ پاکستان کو ان حالات میں بالخصوص ۱۹۶۲ء کے موقع پر مقبوضہ جموں و کشمیر پر قبضہ کر لینا چاہیے تھا انھوں نے ایوب خاں سے ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ جو وفود بیرونِ ملک سے پاکستان آتے تھے ان سے ملاقات کر کے مقبوضہ جموں و کشمیر سے متعلق

بین الاقوامی فورم پر طے شدہ قراردادوں سے متعلق گفتگو کی اجازت دی جائے تاکہ ان وفود کو اس مسئلہ سے آگاہ کیا جائے نیز بیرون ممالک پاکستان سے جو وفود دورہ پر جاتے ہیں ان کے ساتھ آزاد کشمیر کے نمائندہ کو بھی ساتھ لیا جائے مگر ایوب خاں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

جہاں تک خواجہ غیرالدین کے دورہ آزاد کشمیر کا تعلق ہے اس کے بیچ میں انھوں نے بتایا کہ پیپلز پارٹی نے آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی قائم کر کے آئینی اور قانونی غلطی کی ہے اور بین الاقوامی اداروں کی منظور کردہ قراردادوں کے بھی منافی ہے۔ پیپلز پارٹی کے قیام سے تحریک آزادئ کشمیر کو بہت نقصان پہنچا ہے پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو آزاد کشمیر کے اندر کام کرنے کی اجازت دینا ایسے ہی تھا جیسے آزاد کشمیر کو پاکستان کا حصہ بنا لیا گیا ہو۔

انھوں نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے جب ایسا قدم اٹھایا تو انھوں نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ جہاں تک مسلم کانفرنس کا تعلق ہے تو یہ جماعت شروع سے ہی کشمیر میں آزادی کے لئے کام کر رہی تھی اور کشمیر کا الحاق پاکستان سے چاہتی تھی۔ آزاد کشمیر کے دائرے کے اندر کشمیری مسلمان کسی بھی جماعت کو جو ان کے لئے کام کر رہی ہو، میں شامل ہو سکتے تھے یا کوئی نئی جماعت بنا سکتے تھے لیکن پاکستان کی سیاست کو کشمیر کی سیاست میں داخل کرنا پاکستان کے کشمیر کے متعلق موقف کو کمزور کرنے کے مترادف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک پاکستان کے کسی صدر یا وزیر اعظم نے آزادئ کشمیر کے لئے ہرگز کام نہیں کیا۔ اور نہ ہی کام کرنے کی اجازت دی۔ تو اس پس منظر میں اہم آرمی کی قیادت سے یہ بات طے کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ مقبوضہ جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے کیا کام کرے گی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر پاکستان کی حکومت

اس مسئلے کو اس کی اہمیت، نوعیت، ہیئت، اس کی جغرافیائی معاشی حیثیت کو دنیا کے رہنماؤں پر واضح نہیں کرتی اور بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموار نہیں کیا جاتا اس وقت تک حق خودارادیت کے حصول کی بات ناممکن ہے تو اس صورت حال سے بہتر ہے کہ آزاد کشمیر کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت دے دی جائے۔

اس گفتگو اور مذاکرات کے بعد ہم نے اگلے ہی روز ایم آر ڈی کے سیکرٹری جنرل خواجہ خیرالدین سے بات کی اور کے ایچ خورشید کے موقف پر روشنی ڈالی خواجہ صاحب سو فیصد ان کے موقف سے متفق تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کی حکومتوں نے واقعی جموں وکشمیر کی آزادی کے لئے کوئی کام نہیں کیا اور کے ایچ خورشید کی سوچ حقیقت پر مبنی ہے۔ تاہم ملاقات بہت ضروری ہے اور اس کے لیے ایم آر ڈی کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس بلا کر کے ایچ خورشید کے ان نقاط کو ایجنڈہ میں رکھا جائے۔ اگر ایم آر ڈی اجازت دے دے تو جموں کشمیر لبریشن لیگ کو ایم آر ڈی میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ایم آر ڈی کی سنٹرل کمیٹی کے اجلاس کے انعقاد کا انتظار کیا گیا۔ کے ایچ خورشید سے ہماری یہ ملاقات ۹ ستمبر ۱۹۸۲ کو ان کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ ایم آر ڈی کے دیگر رہنما جو سنٹرل کمیٹی کے رکن تھے، وہ کشمیر سے متعلق کسی نقطہ پر بات چیت کرنے کو تیار نہ تھے۔ یوں خواجہ خیرالدین اور کے ایچ خورشید کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اور جموں کشمیر لبریشن لیگ ایم آر ڈی میں شمولیت اختیار کر سکی۔

☆

پسِ دیوارِ زنداں اور مجاہدینِ آزادیٔ کشمیر

تاریخ آزادیٔ کشمیر

قیامِ پاکستان اپنے جلو میں قیامت خیز فسادات اور ہنگامے لایا۔ مہاجرین کا سلسلہ شروع ہوا ہی تھا کہ کشمیر سے خبریں آنی شروع ہوئیں کہ وہاں پر بھی مسلمان پر ڈوگرا مہاراجہ کے ظلم وستم کی رفتار تیز کر دی ہے۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے مسلم نیشنل گارڈ کی ہائی کمان کی ایک میٹنگ ۹۸ مزنگ روڈ پر بلائی گئی۔ جس میں کئی روز کی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ کشمیر پر حملہ کر دیا جائے اور مہاراجہ کو تخت سے اتار کر وہاں مسلمان اکثریت کی جمہوری حکومت قائم کی جائے۔

۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور سے نیشنل گارڈ کے چیدہ چیدہ سالاروں پر مشتمل ایک دستہ روانہ ہوا۔ اس وقت اس دستے کے ساتھ لاہور سے تقریباً تین ٹرک چھوٹے اسلحہ کے بھی ساتھ تھے۔ جن میں رائفلیں، برین گنیں، گولیاں، گرنیڈ، پستول ڈائنامیٹ وغیرہ شامل تھے۔

میجر خورشید انور

اس دستہ کی سربراہی میجر خورشید انور کر رہے تھے اور لطیف افغانی، شیخ نذیر احمد، مرزا ارشد بیگ، اقبال پرویز، محمد ابراہیم، ریاض شاہ، کریم بخش، محمود شاہ،

محمد سعید، محمد لطیف، محمد اسداللہ اور دوسرے مجاہد شامل تھے۔ ہم نے راولپنڈی میں مختلف جگہوں پر مری روڈ اور پشاور روڈ پر اپنے ہیڈکوارٹر قائم کئے جہاں پر پٹرول راشن اور مزید اسلحہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ایبٹ آباد میں ایک ہیڈ کوارٹر قائم کر دیا گیا۔ راولپنڈی میں ایک ریڈیو سٹیشن قائم کر دیا گیا۔

۱۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایک دستہ محمد اسداللہ کی سرکردگی میں سری نگر کے لئے روانہ کیا گیا۔ ان کا کام ریاست کے تمام حالات جاننا اور لوگوں سے رابطہ قائم کرنا تھا اور حملہ کو کامیاب بنانا تھا۔ اس دستے میں مرزا ارشد بیگ، اقبال پرویز، محمد ابراہیم، ریاض شاہ، کریم بخش اور محمد سعید بھی شامل تھے۔ نیشنل گارڈ کے تمام مجاہد راولپنڈی سے الائیڈ چراغ دین کی کاروں میں سوار ہو کر براستہ مری کوہالہ مظفرآباد، بارہ مولا سری نگر پہنچ گئے۔ محمد اسداللہ اور محمد سعید جب مظفر آباد کے پل ڈومیل کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے رکے تو اسداللہ کو خیال آیا کہ مظفرآباد بڑی اہم ملٹری چھاؤنی ہے اور سری نگر کو فتح کرنے سے پہلے مظفرآباد کو فتح کرنا ہوگا اس لئے مظفرآباد میں کچھ دوستوں کی مدد ضروری ہوگی۔ سامنے کچھ ٹرک کھڑے تھے جن پر سیب کی پیٹیاں لدی ہوئی تھیں جو راولپنڈی جا رہی تھیں۔ ٹرکوں کے قریب ایک بڑا وجیہہ نوجوان کھڑا تھا جو باقی مزدوروں کو ادھر ادھر جانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ اسداللہ نے اس نوجوان میں ایک خاص کشش محسوس کی اسے بلایا اور کھانے کی دعوت دی۔ اس کا نام سردار خاں تھا۔ اسداللہ خاں نے کہا "کیا مظفرآباد میں کوئی ایسا مسلمان ہے جو مسلمانوں کا زبردست حمایتی ہو" تو سردار خاں نے جواب دیا کہ ایک وکیل صاحب ہیں جن کا نام عبدالرحیم درانی ہے۔ کھانے کے بعد سردار خاں نے اسداللہ کو درانی صاحب کے مکان پر پہنچا دیا۔ اسداللہ نے سردار خاں کا

شکریہ ادا کیا اور سردار خان واپس چلا گیا۔ سنا ہے کہ آج کل سردار خان مظفر آباد میں ہے اور ٹرانسپورٹر بن چکا ہے۔

اسد اللہ، درانی صاحب سے ملے۔ درانی صاحب ذرا اونچا سنتے تھے۔ کمرے میں ریڈیو ایک میز پر رکھا تھا۔ اسد اللہ نے درانی صاحب سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نیشنل گارڈ کا کمانڈر ہوں اور کشمیر میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کا تختہ الٹنے آیا ہوں اور اب آپ سے مدد چاہتا ہوں کیونکہ آپ مسلمانوں کے زبردست خیرخواہ ہیں۔ اسد اللہ نے یہ بھی بتایا کہ میرے ساتھی سری نگر جا چکے ہیں اور میں بھی اب سری نگر جا رہا ہوں۔ درانی صاحب نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ سری نگر میں ڈاکٹر بشیر صاحب کا مطب ہے۔ تم ڈاکٹر بشیر سے سری نگر ملو اور میرا حوالہ دو کہ درانی صاحب نے بھیجا ہے اور پھر تمام حالات سے ڈاکٹر صاحب کو آگاہ کرو۔ وہ تمام سہولتیں بہم پہنچائیں گے۔

درانی صاحب سے رخصت ہو کر اور واپسی پر ملنے کا وعدہ کر کے اسد اللہ واپس ہوٹل آیا اور اپنے ساتھی محمد سعید کو لے کر بذریعہ کار سری نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک ہاؤس بوٹ کرایہ پر کیا اور باقی دوستوں کی تلاش میں نکلے۔ میراں کدل کے چوک میں باقی دوستوں سے ملاقات ہو گئی اور پھر اُن کے ہاؤس بوٹ کے ساتھ والے ہاؤس بوٹ میں منتقل ہو گئے۔ اب تین ہاؤس بوٹ ہمارے پاس تھے۔ ان دنوں تین روپے روزانہ فی کس کے حساب سے ہاؤس بوٹ کرایے پر ملتے تھے۔

اگلے روز ڈاکٹر بشیر صاحب سے ملنے میراں کدل چوک اُن کے مطب میں پہنچا مریضوں کا بہت رش تھا۔ کافی دیر کے بعد جب مریض جا چکے تو ڈاکٹر صاحب سے اپنا تعارف کرایا اور درانی صاحب کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر صاحب فوراً ساتھ والے کمرے

ہیں لے گئے اور پھر اسد اللہ نے مدعا بیان کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اکتوبر میں دسہرہ کے موقعہ پر جب مہاراجہ کا جلوس نکلتا ہے اس موقعہ پر ہمارا پروگرام ہے کہ مہاراجہ کو ہینڈ گرنیڈ مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ اسد اللہ نے کہا کہ آپ اپنا پروگرام ملتوی کر دیں اور صرف ہماری مدد کریں۔ باقی تمام کام ہم خود کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔

ڈاکٹر صاحب نے اسد اللہ کی مطلوبہ معلومات کے لئے کہا کہ بادامی باغ چھاؤنی میں علی محمد خزانچی سے ملیں۔ وہ ۹ نمبر کوارٹر میں رہتا ہے اور چھاؤنی کا نقشہ سمجھا دیا اور کہا کہ علی محمد سے کہیں کہ ڈاکٹر بشیر نے بھیجا ہے اور درانی صاحب کا بھی حوالہ دیں۔

ڈاکٹر بشیر صاحب آزاد کشمیر میں محکمہ صحت میں اعلیٰ آفیسر کے عہدے پر رہے اور پھر ایک حادثہ میں فوت ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے فرزند نصیر وائیں نوجوان ہیں اور ہائی جیکر کیس میں لاہور قلعہ میں رہ چکے ہیں۔ درانی صاحب آزاد کشمیر میں عدلیہ میں جج رہ چکے ہیں اور آج کل شاید سیالکوٹ میں ریٹائرڈ پر ہیں۔

دوسرے روز محمد اسد اللہ ایک میجر کی وردی میں ملبوس اور تھے پر سیندور کی بندیا لگائے بادامی باغ چھاؤنی ایریا میں داخل ہو گیا اور پھر ڈاکٹر صاحب کے بتائے ہوئے پتے پر کوارٹر ڈھونڈ لیا۔ کوارٹر کے دروازے پر دستک دی تو علی محمد نے دروازہ کھولا۔ پہلے علی محمد گھبرایا کہ ایک ہندو میجر کیا کرنے آیا ہے۔ جلد ہی اسد اللہ نے دروازہ بند کرنے کو کہا اور بتایا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ڈاکٹر بشیر صاحب نے بھیجا ہے اور دُرانی صاحب سے مل کر آیا ہوں۔ اس وقت علی محمد کے ساتھ اس کا ایک اور ساتھی کوارٹر میں موجود تھا جو مائنڈ کی نالی صاف کر رہا تھا وہ شخص چھاؤنی میں بطور انسٹرکٹر تعینات تھا۔ اسد اللہ نے علی محمد

کو بتایا کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور ہمارا کیا پروگرام ہے۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ جو کشمیری فوج کی پلٹنیں ہیں، ان کی تعداد کیا ہے۔ اُن میں کتنے ہندو اور مسلمان فوجی ہیں۔ ان کے پاس کون سا اسلحہ ہے اور اس میں ہمارے ساتھ کتنے تعاون کر سکتے ہیں۔ علی محمد اٹھ کر چلا گیا اور کافی دیر کے بعد واپس آیا تو اس کے پاس گڑھی حبیب اللہ مظفر آباد، کوہالہ کے تمام درمیانی علاقے کے بارے میں پوری معلومات تھیں جو اس نے اسد اللہ کو دے دیں اور ساتھ ہی کہا کہ کسی اعلیٰ فوجی افسر کو دوسری مرتبہ ساتھ لائیں اور یہ بھی کہا کہ جب مظفر آباد میں درانی صاحب سے ملیں تو ان سے کہیں کہ جمعدار فتح محمد سے بھی ملاقات کروائیں۔ علی محمد آزاد کشمیر میں کیپٹن کے عہدے پر رہے اور آج کل شاید میرپور میں کہیں رہائش پذیر ہیں۔

اسد اللہ تمام معلومات لے کر سری نگر سے واپس مظفر آباد پہنچا۔ درانی صاحب سے ملاقات کی اور پھر درانی صاحب نے جمعدار فتح محمد سے ملایا۔ فتح محمد نے دومیل گلی کی پکٹ کے غلام محمد سے ملنے کو کہا۔ اسد اللہ مظفر آباد سے بذریعہ کار دومیل گلی پہنچا اور غلام محمد سے ملاقات کی اور تمام دوستوں کا ذکر کیا اور پھر گڑھی حبیب اللہ ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچ گیا۔ ایبٹ آباد میں اس وقت ایک زبردست میٹنگ ہو رہی تھی جس میں سکندر مرزا، قیوم خان، پیر مانکی شریف، میجر خورشید انور اور دوسرے کئی حضرات موجود تھے۔

اسد اللہ فوراً میجر خورشید انور سے ملنے وہاں گیا اور تمام رپورٹ میجر خورشید انور کو دی۔ میٹنگ میں شرکت اور میٹنگ میں مزید بحث کی گئی۔ یہاں ایک صاحب اصغر علی شاہ سے جھگڑا ہو گیا۔ میجر خورشید انور نے بتایا کہ یہ پولیس کا آدمی ہے اور ہماری مدد کے لئے آیا ہے۔ سنا ہے آج کل صفر صاحب پشاور میں ہیں اور بڑے

صحافی ہیں۔ محمد اسد اللہ مزید ہدایات لے کر اور ساتھ کرنل ریاض کو لے کر سری نگر روانہ ہو گیا۔ سرینگر میں کرنل ریاض کی علی محمد سے اور پھر مولوی نورالدین صاحب سے ملاقات کرائی گئی۔ اقبال پرویز کو مزید اطلاعات دے کر ایبٹ آباد بھیجا گیا۔ وہ اپنا مشن پورا کرکے سرینگر پہنچ گیا۔ ۳۰ ستمبر کو شیخ عبداللہ جیل سے رہا ہو کر سرینگر پہنچے تو ایک بہت بڑے دریائی جلوس کی شکل میں انھیں حضرت بل لے جایا گیا جہاں انھوں نے تقریر کی۔
سرینگر سے ایبٹ آباد پہنچے، تو اب کشمیر پر حملہ کی ۲۱ اکتوبر تاریخ مقرر ہو چکی تھی

پاکستان کے وزیر اعظم خاں لیاقت علی خاں کا حکم

ایبٹ آباد کے قیام کے دنوں میں ایک روز کراچی سے لیاقت علی خاں وزیر اعظم کا ٹیلیفون آیا۔ میجر خورشید انور نے ٹیلی فون پر کہا کہ "لیاقت تم ابھی بچے ہو"۔ بعد میں دریافت کرنے پر میجر صاحب نے بتایا کہ لیاقت کہہ رہا تھا کہ حملہ جلدی کرو اور ۱۵ اکتوبر کو کرو۔ جس پر میجر صاحب نے کہا کہ ہم اپنی مرضی اور حالات کے مطابق تاریخ مقرر کر چکے ہیں۔ تمام ضروری ہدایات لے کر اسداللہ سرینگر کے لئے روانہ ہو گیا اور راستے میں مظفرآباد میں جمعدار فتح محمد سے ملاقات کی۔ اور پھر سرینگر میں علی محمد سے ملاقات کی۔

سری نگر میں کے ایچ خورشید سے ملاقات

وہاں پر اقبال پرویز کی مسٹر کے ایچ خورشید سے ملاقات ہوئی۔ اقبال پرویز نے خورشید صاحب سے کہا کہ آپ جلد از جلد سری نگر سے پاکستان چلے جائیں کیونکہ

آئندہ حالات جلد بدلنے والے ہیں۔ خورشید صاحب نے مزید جاننے کی کوشش کی مگر اقبال پرویز نے مزید بتانے سے انکار کر دیا۔ شیخ مسعود صادق کشمیر میں سیر کرنے گئے ہوئے تھے۔ اسداللہ نے شیخ صاحب کو جلد از جلد سرینگر چھوڑنے کو کہا تو شیخ صاحب اسی روز پاکستان کے لئے روانہ ہو گئے۔

۱۹ر اکتوبر کو علی محمد نے بتایا کہ پانچ ٹرک اسلحہ سے لدے ہوئے براستہ اوڑی پونچھ پہنچا۔ تمام سالاروں کو شام کے قریب اوڑی کے قریب کار سے اتار دیا گیا۔ پروگرام یہ تھا کہ پہلے ایک میل آگے سل کوٹ کا پُل جلا دیا جائے۔ پھر صبح کے قریب جب پانچوں ٹرک اوڑی کے نزدیک والے پُل سے گزر جائیں تو پھر اس پُل کو آگ لگا دی جائے۔ اسی طرح یہ پانچوں ٹرک دو پلوں کے درمیان رُک جائیں گے۔ پروگرام کے مطابق تینوں سالاروں نے اپنے مشن کو پورا کیا۔

اسداللہ اوڑی سے کوہالہ اور پھر راولپنڈی اور پھر ایبٹ آباد پہنچ گیا۔ اب مظفر آباد میں متعین چوتھی کشمیر رجمنٹ کے جوانوں کو ہدایات دے دی گئیں تھیں کہ جب ۲۰ر اکتوبر اور ۲۱ر اکتوبر کو رات کے وقت حملہ شروع ہو تو وہ فوراً اپنے سروں پر سبز پٹیاں باندھ لیں اور اپنے ہندو ساتھیوں کو قتل کر دیں اور مظفر آباد کے قریب دریائے کشن گنگا کے پُل کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔

۲۰ر اکتوبر کو لوہار گلی کے کپتان اعظم کو دھوکے سے گڑھی حبیب اللہ بلایا گیا اور اسے گرفتار کر لیا گیا کیونکہ ہماری اطلاع کے مطابق کپتان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حملہ پروگرام کے مطابق کیا گیا اور کامیاب رہا اور ۲۱ر اکتوبر ہی کو مظفر آباد فتح کر لیا گیا۔ کوہالہ پُل کی طرف سے حملہ کرنا کرنل تاج اور کرنل تحمل کے ذمہ تھا مگر ان لوگوں نے حملہ نہ کیا۔ لطیف افغانی اور محمد اسداللہ ایبٹ آباد سے راولپنڈی اور پھر مری پہنچے۔ یہاں پر مزید سابق فوجیوں کو اکٹھا کیا گیا اور کوہالہ پُل سے پانچ میل

نیچے دریائے جہلم کو لوہے کے رسے سے باندھ کر عبور کیا۔ کچھ ساتھیوں نے چمڑے کی مشک سے دریا عبور کیا

جب چمن کوٹ پہنچے تو کچھ نوجوانوں میں قیوم اور اسلم نام کے دو جوان بھی تھے جو بعد میں سردار قیوم خاں صدر آزاد کشمیر بنے اور اسلم جو بعد میں آزاد کشمیر میں میجر اسلم بنے۔ ڈنہ کی پکٹ کی پچھلی جانب مورچہ بنا کر دشمن پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس روز عید قربان تھی اور ۲۵ اکتوبر کا دن تھا۔ قیوم اور اسلم بمعہ خرید دیہاتی ساتھیوں کے دور پیچھے پہاڑی پر تھے کیونکہ یہ سب نہتے تھے۔ تمام دن فائرنگ جاری رہی۔ شام کے قریب دشمن نے مارٹر گنوں سے فائرنگ شروع کر دی۔ کیونکہ اس کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گیا ہے کیونکہ

رات کو دشمن نے زبردست حملہ کر دیا۔ ہمارے کئی جوان زخمی اور شہید ہو گئے مگر دشمن پکٹ چھوڑ کر اندرونی حصے میں بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ محمد اسداللہ بمعہ دوسرے ساتھیوں کے واپس کوہالہ پل پر آیا۔ لطیف افغانی مع بے دار کلے خاں کی کاوش سے کر واپس کوہالہ پل پر پہنچا۔ پھر اکٹھے کوہالہ پل پار کر کے پاکستانی علاقے میں آئے اور یہاں پر ریسٹ ہاؤس میں مقیم آزاد ہند فوج کے سابق کرنل تجمل کو بتایا کہ کوہالہ پل کو فتح کر لیا گیا ہے۔ لطیف افغانی اور اسداللہ بمعہ ساتھیوں کے ایک ٹرک سے مظفرآباد۔ پھر اوڑی پہنچے۔ یہاں معلوم ہوا کہ شیخ نذیر زخمی ہو گئے ہیں انھیں ماتھے کے قریب گولی لگی ہے۔ شیخ نذیر آج کل بروک بانڈ کمپنی میں ملازم ہیں

اوڑی سے بارہ مولا پہنچے۔ یہاں پر معلوم ہوا کہ جب مظفرآباد فتح ہو گیا تو مظفرآباد کے ریاستی کمانڈر کرنل رام چند نے ڈومیل پل کے پار مورچہ قائم کر لیا تھا اور تمام دن فائرنگ کرتا رہا۔ بڑی مشکل سے اسے مورچہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب تمام حملے میں چوتھی کشمیر رجمنٹ کے جوان ہراول دستہ

کے طور پر حصے میں شامل تھے۔ ان کے ساتھ قبائلی علاقے کے لوگ جن میں محسود، شنواری، شینگل، آفریدی، دیر کے قبائل، الباکے قبائل، سوات کے قبائل بھی اس جہاد میں حصہ لے رہے تھے، بارہ مولا سے پٹن پہنچے۔ ۲۶ر اکتوبر کا دن تھا۔ ابھی ہم پٹن پہنچے ہی تھے کہ بھارتی ہوائی جہازوں نے پٹن پر بم باری شروع کر دی۔

لطیف افغانی ایک دستے کو سڑک کے دائیں جانب سے سرینگر کے ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ کچھ قبائلیوں کے سردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ سڑک کے بائیں جانب سے سرینگر شہر پر حملہ کرنے کے لئے چلے گئے۔ ابھی تک پٹن اور سرینگر کے درمیان سڑک پر ریاستی فوج کا ایک دستہ راستہ روکے بیٹھا تھا۔ اس دستے پر دن بھر فائرنگ کی گئی۔ مارٹر گنوں سے فائرنگ میجر اسلم کر رہے تھے جو کہ بعد میں بریگیڈیئر بن کر فوج سے ریٹائر ہوئے اور وہ صدر تحریک استقلال ائیر مارشل اصغر خان کے بھائی ہیں۔

بھارتی ہوائی جہازوں کی بم باری تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی جس سے کافی نقصان ہو رہا تھا۔ مزید کمک کے لئے میجر خورشید انور نے چکوٹھی کے محفوظ دستے کو بلایا مگر معلوم ہوا کہ وہ دستہ چکوٹھی چھوڑ کر باغ کی طرف چلا گیا ہے۔ میجر خورشید انور پٹن سے مظفر آباد آئے اور یہاں سے پشاور میں خوشدل خان پولیس آفیسر کو فون کیا اور ملیشیا کے جوانوں سے مدد مانگی کیونکہ خان قیوم پوری پوری مدد کر رہے تھے لہٰذا فوراً تین سو جوان مظفر آباد پہنچ گئے اور پھر مظفر آباد سے پٹن پہنچے۔ وقت گزر چکا تھا بھارتیوں کی کمک پہنچ چکی تھی۔ مزید تین روز پٹن پر لڑائی ہوئی مگر پٹن خالی کرنا پڑا اور بد حواسی کے عالم میں پیچھے بھاگے۔۔ بارہ مولا آیا مگر کوئی بھی یہاں پر نہ ٹھہرا آخر اوڑی میں مورچہ بند ہو گئے۔ پہلی نومبر کا دن تھا۔ اب بھارتی جہاز روزانہ اوڑی پر بم باری کرنے لگے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ محمد اسد اللہ اسلحہ کے گودام میں میجر خورشید انور کا اسلحہ

کے بارے میں بتا رہا تھا کہ کتنا اسلحہ باقی ہے ۔ اتنے میں بھارتی جہاز آ گئے ۔ انھوں نے بمباری کی ۔ اسد اللہ اور میجر خورشید محفوظ جگہ کی تلاش میں دوڑے ۔ میجر خورشید انور کو بم کا ایک ٹکڑا لگا اور ان کی ٹانگ زخمی ہو گئی ۔ جنگ کشمیر کا مجاہد اعظم میجر خورشید انور زخمی ہو گیا ۔ فوراً مظفر آباد خبر دی گئی اور پھر راولپنڈی سے لیفٹیننٹ کرنل اکبر خاں فرنٹیئر رائفل اوڑی پہنچے ۔

میجر خورشید انور کی اکبر خاں کو ہدایت

جب ٹرک سے میجر خورشید انور روانہ ہونے لگے تو انھوں نے اکبر خاں کو ہدایات دیں کہ اوڑی کو کسی حالت میں نہیں چھوڑنا ۔ اکبر خاں نے یقین دلایا کہ وہ حکم کی تعمیل کرے گا ۔ ۳ نومبر کو اکبر خاں نے اوڑی محاذ کا چارج سنبھال لیا ۔ اکبر خاں کے ساتھ اس کا بھائی اعظم خاں بھی پہنچ گیا ۔ اعظم خاں نے رعب جمانا شروع کر دیا جس پر اسد اللہ کا اعظم خاں سے جھگڑا ہو گیا ۔ مگر اکبر خاں نے صلح صفائی کرا دی ۔

اکبر خاں بھارتی ہوائی حملوں سے سخت پریشان تھے ۔ آخر انھوں نے اوڑی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ۔ جب تمام راشن ، اسلحہ اور دوسرا سامان اوڑی سے پیچھے چناری کے لئے روانہ کیا گیا تو اسد اللہ نے اکبر خاں کو یاد دلایا کہ میجر خورشید انور کا حکم تھا کہ اوڑی کو کسی حالت میں نہیں چھوڑنا اور ابھی تک دشمن کی پیدل فوج کا دور دور تک کوئی نشان بھی موجود نہیں ہے ۔ آپ اوڑی کو چھوڑ کر چناری کو کیوں ہیڈ کوارٹر بنا رہے ہیں ۔ اکبر خاں نے جواب دیا کہ اوڑی فوجی نقطۂ نظر سے محفوظ نہیں ہے ، اس لئے چناری کو ہیڈ کوارٹر بنایا جائے گا ۔

اوڑی پل

چھ اور سات نومبر کی رات کو جب اوڑی خالی کر دیا گیا تو آخری جیپ میں اکبر خان، محمد اسد اللہ اور ڈرائیور واپس چناری کی طرف آ رہے تھے۔ راستے میں اوڑی نالہ پُل کو آگ لگا دی گئی۔ یہ پُل آج بھی سرحد ہے اور دوسری طرف اوڑی پونچھ روڈ پر سیل گڑھ پُل جو کہ نیشنل گارڈ کے تین سالاروں نے کلہ سے تین روز پہلے جلایا تھا، وہ پُل آج بھی سرحد ہے۔ اوڑی میں مورچہ چھوڑنے کے بعد چناری کی مورچہ بندی کی گئی۔ دشمن آہستہ آہستہ ڈرتے ڈرتے پٹن سے بڑھ کر اوڑی پہنچا۔ دشمن سے پہلی جھڑپ ۱۲ر نومبر کو ہوئی جو اوڑی نالہ کے دوسری طرف پہنچ چکا تھا۔ ۲۶ر نومبر کو لطیف افغانی اپنے ساتھیوں کے ساتھ سری نگر ہوائی اڈہ سے واپسی میں پہاڑوں کی چوٹیوں کو عبور کرتا ہوا واپس چناری پہنچا۔ دشمن سے ہلکی ہلکی جھڑپیں روزانہ شروع ہو گئیں۔

نہرو نے کہا پورا کشمیر خالی کر دو

کشمیر کے موسم کے مطابق برف باری شروع ہو چکی تھی۔ دسمبر میں ہلکی ہلکی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں میجر خورشید انور ایبٹ آباد سے صحت یاب ہو کر چناری آئے۔ محمد اسد اللہ مختلف پکٹوں پر اُن کے ساتھ گیا۔ ایک جگہ اپنے اپنے تھیلوں سے روٹی نکال کر کھائی۔ یہاں پر میجر خورشید انور نے بتایا کہ لیاقت علی خان نے پنڈت نہرو سے کہا ہے کہ فائر بندی کر لیں اور فوجیں جس جگہ ہیں وہیں قبضہ برقرار رکھا جائے مگر نہرو نے جواب دیا ہے کہ پورا کشمیر خالی کر دو۔ پہلی جنوری ۱۹۴۹ء تک جنگ جاری رہی اور پھر فائر بندی ہو گئی مگر جو سرحدیں ۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سلی کوٹ پل، ۷ر نومبر کو اوڑی پل پر معرض وجود میں آئی تھیں، وہ تیرہ ماہ کی جنگ کے باوجود تبدیل نہیں ہو سکی تھیں

یہاں مجھے اکبر خان سے سخت اختلاف ہے کیونکہ وہ بار بار کہتے ہیں کہ لیاقت علی خان نے فائر بندی کر کے ہمیں کشمیر میں بہتر مواقع حاصل کرنے سے محروم کر دیا تھا۔ اکبر

خاں آپ نے ۳ر نومبر ۱۹۴۷ء سے لے کر پہلی جنوری ۱۹۴۹ء تک کشمیر میں جنگ لڑی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے کون سے علاقے فتح کئے جب کہ سولہ ماہ تک آپ کو پاکستانی عوام، حکومت اور فوج کا مکمل تعاون حاصل تھا؟ اکبر خاں آپ اچھے فوجی منصوبہ ساز نہیں ہیں۔ آپ صرف دفاعی جنگ لڑنا جانتے ہیں۔ دشمنوں پر بھرپور حملہ کرنا آپ کو سکھایا ہی گیا نہیں تھا۔ کشمیر میں ایسا کیوں ہوا۔ یہ بات انگریز، لیاقت علی خاں، پنڈت نہرو اور شاید آپ جانتے ہیں مگر میں بھی جانتا ہوں۔ اکبر خاں! آپ کو کشمیر چاہیے۔ اب آپ پاکستان کی سلامتی کے مشیر ہیں جو کشمیر محاذ کی کمان اوڑی میں آپ نے لے لی تھی وہ مجھے واپس کر دو۔ میں نے مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا اور کشمیر کا ایک حصہ آزاد کرا لیا تھا۔ اب اگر ہم یا کشمیر کا کوئی اور خیر خواہ بھارت کے تسلط کو سری نگر میں نیست و نابود کرنا چاہتا ہے تو سب کو مقبول بٹ کی شہادت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور خورشید کی سیاست، پھر دیکھئے خدا کیا کرتا ہے۔

اوڑی محاذ سے پیچھے ہٹنے کے بعد اکبر خاں نے چناری میں ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ اس وقت پاکستانی فوج کے چند افسر اور جوان اس محاذ پر تھے۔ باقی تمام لوگ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ نیشنل گارڈز کے کمانڈر بھی انتظامی ڈیوٹی دے رہے تھے۔ موسم سرما شروع ہو چکا تھا اور برف باری بھی بھارتی فوج اوڑی میں مورچہ بند ہو رہی تھی اور اس طرح دونوں مد مقابل مورچہ بند ہو کر لڑنے کی کوششوں میں مصروف تھے کبھی کبھی قبائلیوں پر مشتمل دستہ دشمن کے گشتی دستہ پر حملہ کرتا اور نقصان پہنچا کر واپس چناری پہنچ جاتا۔ ان دنوں غیر ملکی فوٹو گرافر بھی محاذ پر پہنچے اور انھوں نے کافی تصویر کشی کی۔

لطیف افغانی جب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سری نگر ہوائی اڈہ سے ناکام ہو کر

واپس چناری پہنچا تو کافی برہم تھا۔ آخر لطیف افغانی نے کشمیر ملیشیا کی ٹریننگ کا پروگرام بنایا اور مقامی آبادی کے لوگوں کو ایک تنظیم کے تحت جنگ میں حصہ لینے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اکبر خاں کے والد حاجی صاحب بھی چناری پہنچ گئے۔ وہ کافی ضعیف تھے اور مشکل سے چل سکتے تھے مگر ان کی زبردست خواہش تھی کہ جہاد میں حصہ لیں اور کافروں کو قتل کریں۔ آخر ایک دن ایک کافر ان کے حضور پیش کیا گیا اور حاجی صاحب نے کرسی پر بیٹھ کر اپنے لرزتے ہاتھوں سے سٹین گن کا برسٹ مار کر اس کافر کو قتل کر دیا۔ حاجی صاحب بہت خوش ہوئے۔ نیشنل گارڈز کے کمانڈروں نے سخت احتجاج کیا اور اس پر اکبر خاں نے بھی آئندہ ایسی حرکت کرنے کی سختی سے مخالفت کر دی۔ محاذ سردی کی وجہ سے کافی سرد ہو چکا تھا۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں اکبر خاں چناری سے راولپنڈی واپس چلا گیا اور اکبر خاں کی جگہ میجر جیلانی نے کمان سنبھال لی اور اپنا نام میجر "بابر" رکھ دیا۔

میجر جیلانی تمام دن چائے پینے میں مصروف رہتے اور کبھی بھی محاذ کا معائنہ کرنے نہ نکلتے۔ کبھی کبھی بھارتی ہوائی جہاز مظفر آباد بمباری کرنے کے لئے جب چناری سے گزرتے تو میجر بابر خوف کے مارے گھنٹوں چھپے رہتے۔ جب کہ دوسرے تمام لوگ گزرتے ہوئے ہوائی جہازوں پر اپنی بندوقوں سے فائر کرتے، میجر بابر سخت ناراض ہوتے کہ دشمن کو پتہ چل جائے گا۔ حالانکہ ہیڈ کوارٹر انتہائی محفوظ مقام پر تھا اور کسی بھی حالت میں دشمن اس پر حملہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی ہیڈ کوارٹر کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میجر بابر کی اس بزدلی پر تمام دوسرے مجاہد مذاق اڑاتے۔ محاذ پر مکمل بھائی چارہ تھا مگر میجر بابر نے اپنی خفت مٹانے کے لئے اسلم خشک کے ذریعے نفرت پھیلانی شروع کر دی۔ میجر بابر بعد میں پاکستانی فوج سے میجر جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور آج کل سرحد "نیپ" میں بڑے سرگرم ہیں اور بڑے بھارت نواز بنے ہوئے ہیں۔

نیشنل گارڈز کے کمانڈروں کا جو دستہ ۸ ار ستمبر کو سری نگر پہنچا۔ ان میں محمد ابراہیم، اقبال پرویز، کریم بخش، محمد لطیف، معراج دین، محمد رفیع، ریاض شاہ، محمد انور، میر صفدر اور محمود شاہ شامل تھے۔ ان لوگوں کے پاس ہلکا اسلحہ اور بارودی سرنگیں ذخیرہ تھیں جیسے ہی حملہ شروع ہوا۔ محمد ارشد بیگ اور محمود شاہ سری نگر سے پٹن کی طرف نکل آئے ریاض شاہ اور محمد ابراہیم نے بارہ مولا اور سری نگر کے درمیان ٹیلیفون کا سلسلہ تباہ کر دیا۔ ادھر مجاہدین نے ماہورہ کا بجلی گھر تباہ کر دیا جس سے تمام کشمیر وادی بجلی سے محروم ہو گئی۔ محمد ارشد بیگ اور محمود شاہ گرفتار کر لئے گئے۔ قربانی کی عید سے پہلے جمعہ پڑھنے کے لئے جب اقبال پرویز حضرت بل پہنچا تو وہاں گرفتار کر لیا گیا مگر اقبال پرویز نے ایک سپاہی کو رشوت دے کر اپنی گرفتاری کی خبر اپنے ساتھیوں کو پہنچا دی جس سے تمام ساتھیوں نے اپنے اسلحہ وغیرہ اپنے ہاؤس بوٹ کے ساتھ ہی ڈل جھیل میں چھپا دیا۔ چند گھنٹوں کے بعد پولیس کی بھاری جمعیت پہنچ گئی اور تمام باقی حریت پسندوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ تمام سری نگر میں منادی کرا دی گئی۔ ہزاروں افراد میراں کول چوک میں جمع ہو گئے۔ پھر پولیس کی بھاری گارڈ کی نگرانی میں تمام مجاہدین کو میراں کول چوک میں لایا گیا۔ ایک قیامت کا شور تھا۔ عوام کو بتایا گیا کہ قبائلیوں کو گرفتار کیا گیا ہے تو سب نے مل کر "پاکستان زندہ باد" اور "شیخ عبداللہ مردہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگائے حاضرین سہم گئے۔ کچھ نے پتھراؤ کیا۔ پھر مجاہدین کو کشمیر ملیشیا کے ہیڈ کوارٹرز کارڈینشن ہوٹل لے جایا گیا۔ وہاں کافی دیر تک پوچھ گچھ جاری رہی۔ وہاں درجنوں افراد اور بھی تھے جنہیں پاکستان دوستی کی بناء پر مارا پیٹا جا رہا تھا۔ پھر پولیس حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہاں محمد ارشد بیگ، محمود شاہ، اقبال پرویز سے سب کی ملاقات ہو گئی اور تمام ساتھی اکٹھے ہو گئے۔ صبح تمام مجاہدوں کو سنٹرل جیل سری نگر بھیج دیا گیا۔ عید قربان پاکستانی مجاہدین نے سنٹرل جیل میں گزاری۔ اب

پاکستان دوستی کی بنا پر کشمیری لیڈر بھی جیل بھیجے جانے لگے ۔ آغا شوکت جیل پہنچے تو انھیں پھانسی کی کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا ۔ غلام نبی گلکار گرفتار کر کے لائے گئے ۔

جیل میں سیاسی قیدیوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا ۔ سید ابرار شاہ اور اعجاز احمد مالک کارونیشن ہوٹل بھی پاکستان دوستی کے جرم میں جیل بھیج دیئے گئے ۔ جیل میں خوراک کا نظام سخت خراب تھا ۔ تمام راشن چوری ہو رہا تھا اور قیدیوں کو بہت کم اور ناقص خوراک دی جا رہی تھی ۔ پاکستانی حریت پسندوں نے کشمیری لیڈروں سے خوراک کے بارے میں صلاح مشورہ کیا اور خوراک کی بہتری کے لئے مہم شروع کرنے کا فیصلہ ہوا ۔ آغا شوکت کشمیری لیڈروں کی طرف سے پیش پیش تھے ۔ جیل حکام نے چند بدمعاش قیدیوں کے ذریعے آغا شوکت کی کوٹھڑی پر حملہ کرا دیا ۔ پاکستانی مجاہدوں نے زبردست مزاحمت کی ۔

چند دن کے بعد تقریباً دو سو قیدیوں نے پاکستانی مجاہدوں پر لاٹھیوں سے مسلح حملہ کر دیا ۔ خوب مقابلہ ہوا ۔ کئی قیدی زخمی ہو گئے ۔ جیل میں الارم بج گیا ۔ باہر سے مسلح پولیس پہنچ گئی ۔ پولیس نے کافی ہوائی فائرنگ کی اور چند بدمعاشوں اور قیدیوں اور پھر پاکستانی مجاہدوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جیل حکام کی زیادتی کے خلاف زبردست احتجاج شروع کر دیا ۔ بھوک ہڑتال کی گئی اور باقی کشمیری سیاسی قیدیوں اور دوسرے قیدیوں کو ابھارا گیا اور جیل حکام کی زیادتیوں اور ناقص خوراک کے خلاف پراپیگنڈا کیا ۔

دو ہفتہ کے بعد دسمبر میں برف گر رہی تھی اور تمام قیدی ساری جیل میں شور مچا رہے تھے ۔ ایک ہنگامہ تھا ۔ بڑے جوش و خروش سے جیل کے اندر جلوس نکلا ہوا تھا اور جلوس کی قیادت پاکستانی مجاہدین کر رہے تھے ۔ جلوس نے پھانسی کی کوٹھڑیوں

پر حملہ کر دیا ۔ پولیس کے وارڈوں سے کوٹھڑیوں کی چابیوں کا گچھا چھین لیا گیا اور تمام ساتھیوں کو رہا کرا لیا گیا ۔ جیل کا نظام اب پاکستانی مجاہدوں کے قبضے میں تھا جیل کے حکام منت سماجت کرنے لگے ۔ آخر اسسٹنٹ جیلر جو کہ مسلمان تھا ، اس کے کہنے پر بات چیت شروع ہوئی ۔ قیدیوں کی طرف سے آغا شوکت ، اقبال پرویز اعجاز ، محمود شاہ نے نمائندگی کی ۔ جیل حکام نے تمام مطالبات مان لیے ۔ تمام قیدیوں کا راشن بحال ہو گیا ۔ پاکستانی مجاہدین کو چودہ آنے فی کس کے حساب سے کچا راشن دیا جانے لگا ۔ جس سے وہ خود اپنی خوراک تیار کرتے ۔ پاکستانی مجاہدین رات کو گانے گاتے اور تاش کھیل کر وقت گزارتے ۔

جیل کے ان ہنگاموں سے باہر گورنمنٹ بھی باخبر تھی ۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں بخشی غلام محمد جیل میں پاکستانی مجاہدین سے ملنے آئے ۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ مجاہدین لاہور کے رہنے والے ہیں تو انھوں نے لاہور کو خوب یاد کیا اور گزرے دنوں کو یاد کرنے لگے ۔ وقت گزر رہا تھا اور جنگ طویل ہو رہی تھی ۔ آخر ایک دن سید ابرار شاہ کے کہنے پر فیصلہ ہوا کہ جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی جانی چاہیے ۔ کمبلوں کو پھاڑ پھاڑ کر رسے بنائے گئے اور جو لکڑیاں جلانے کے لئے ملتی تھیں ان کو بطور ڈنڈے استعمال کیا گیا اور ایک لمبی سیڑھی تیار کی گئی ۔ چند ساتھیوں نے حسب دستور اونچا گانا شروع کر دیا اور چند نے بیرک کی سلاخوں کو اکھیڑنا شروع کر دیا ۔

رات ۱۱ بجے کا وقت تھا کہ جیل کے عملے کا ایک آدمی آیا اور بولا کہ فوراً بستر باندھ لو اور چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ سب نے سمجھا کہ حکام کو ہماری مفروری کا علم ہو گیا ہے سب نے رات کو باہر جانے سے انکار کر دیا ۔ آخر اسسٹنٹ جیلر آیا ۔ اس نے کچھ سگریٹ دیئے اور کہا کہ ملٹری کا ٹرک آیا ہے ۔ اب تم تمام لوگ ملٹری حکام کے تحت رہو گے اور تم اب بادامی باغ جا رہے ہو فکر نہ کرو ۔ چونکہ اسسٹنٹ جیلر کے

بدرسے میں اچھی طرح علم تھا کہ یہ شخص غلط بیانی نہیں کرتا تو سب کو یقین ہو گیا کہ واقعی ہماری تبدیلی ہو رہی ہے ۔ فوراً جلدی سے تمام رسی کے بنڈل بنا کر گٹر میں جا کر پھینک دیا گیا اور سب تھی تیار ہو کر اور سامان لے کر بیرک سے نکل کر جیل کے پھاٹک پر پہنچ گئے ۔ وہاں ملٹری کا ایک ٹرک کھڑا تھا ۔ تمام فوجی سکھ تھے ۔ شروع میں سکھوں نے خفگی کا اظہار کیا مگر پنجابی بولنے کے بعد دوست بن گئے ۔ بادامی باغ میں ملٹری کوارٹر گارڈ میں بند کر دیا گیا ۔ پہرے پر گورکھا سپاہی متعین تھے ۔ گورکھا سپاہی نہایت ہی مخلص اور دوست ثابت ہوئے ۔

سید ابرار شاہ اور اعجاز کے رشتہ داروں نے ضمانت کرا دی اور وہ دونوں بادامی باغ جیل سے رہا ہو گئے ۔ ریاض شاہ کی ضمانت ایک کشمیری عورت نے دی اور کہا کہ یہ شخص میرا شوہر ہے لہٰذا ریاض شاہ ضمانت پر رہا ہو گیا ۔ سید ابرار شاہ اور اعجاز آج کل پاکستان میں ہیں ۔ آغا شوکت سنٹرل حکومت پاکستان میں اعلیٰ عہدے پر تعینات ہیں ۔ غلام نبی گلکار آج کل راولپنڈی میں قیام پذیر ہیں ۔

بادامی باغ جیل کی قید کے دوران دو سکھ جنرل دیکھنے کے لئے آئے اور کہا کہ ہم فارورڈ کمپنی کے لوگوں کو دیکھنے آئے ہیں ۔ سکھ جرنیلوں سے پنجابی میں بات چیت ہوئی ۔ پاکستان میں محمد اسد اللہ اپنے کمانڈروں کی رہائی کے لئے کوشاں تھے ۔ آخر میجر خورشید انور نے حکومت پاکستان کے ذریعے بھارتی حکام کو پیغام بھجوایا کہ اپنے قیدی لے لو اور ہمارے قیدی چھوڑ دو ۔ اسی بات چیت کے تحت پاکستانی مجاہدین سول حکومت کی بجائے ملٹری کی نگرانی میں چلے گئے تھے ۔ بادامی باغ جیل میں ڈھائی ماہ رہنے کے بعد سب مجاہدین کو اودھم پور قلعہ جیل میں بھیج دیا گیا ۔ یہ قلعہ بڑا بھیانک قلعہ ہے خستہ حالت اور جا بجا دیواروں میں گھاس اُگی ہوئی ہے ۔ سانپ ، کالے بچھو ، چوہے ، جنات سے تھے ۔

ادھم پورہ قلعہ کی جیل اور کے ایچ خورشید مرحوم

تقریباً ۹۰ قیدی اور تھے جن میں کے ایچ خورشید بھی تھے، کچھ پونچھ کے لیڈر بھی تھے، کچھ کشمیری لیڈر بھی تھے۔ کھانے کا ناقص انتظام تھا۔ صرف گانٹھ گوبھی کھانے کو ملتی تھی۔ گندی باؤلی کا گندا پانی پینے کو ملتا تھا۔ سکھ وارڈر انتہائی بد دماغ تھا۔ زندگی حوصلے سے گزر رہی تھی۔ رات کو خوب گانے کی محفل جمتی تھی۔ کریم بخش انتہائی اچھا گا لیتا تھا

کے ایچ خورشید کا کریم بخش کو گھڑی کا تحفہ

کے ایچ خورشید نے کریم بخش کو اپنی قیمتی گھڑی بطور تحفہ دے دی۔ تقریباً تین ماہ گزرے ہوں گے کہ شب برات کا مبارک تہوار آ گیا۔ محمد ابراہیم نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ آج توبہ کی رات ہے۔ آج رات عبادت کی جائے اور اپنے خدا سے مدد مانگی جائے۔ شب برات کو چند ساتھیوں نے صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز پڑھی اور پھر خدا کی یاد میں ورد کرنے لگے۔ کافی رات گزر جانے کے بعد نیند نے غلبہ کر لیا اور تمام ساتھی خدا کے حضور عاجزی کرنے کے بعد سو گئے۔ محمد ابراہیم اور محمد رفیع کو خواب میں نظر آیا کہ جیل کا وارڈن آیا اور اس نے کہا کہ لاہور یو بستر باندھ لو۔ پھر تمام لوگ قلعہ سے باہر نکلے اور پیدل کچھ راستے کو طے کیا۔ پھر ٹرک میں بیٹھ کر سڑک پر جانے لگے۔ پھر ایک جگہ ٹرک سے اتر گئے اور نالہ پار کیا۔ پھر پہاڑوں میں گھومتے ہوئے ایک شہر میں پہنچے۔ محمد ابراہیم اور محمد رفیع نے اپنی اپنی خواب کا دوسرے ساتھیوں سے ذکر کیا۔ دونوں مطمئن تھے کہ رہائی قریب ہے۔

صبح نو بجے کے قریب سکھ وارڈن نے آواز لگائی کہ لاہور یو بستر باندھ لو۔ تمام مجاہدین نے فوراً بستر باندھ لئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ رہائی خدا کا حکم ہے۔ تمام

مجاہدین دوسرے قیدیوں سے ملے اور قلعہ سے باہر آ گئے۔ قلعہ سے جموں جیل پہنچنے تک تمام راستہ خراب کے مطابق تھا۔ جموں جیل میں چھ روز گزارے اور پھر دس مجاہد فوج کی نگرانی سمیت سچیت گڑھ پہنچے اور پاکستان کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ پاکستانی بارڈر پولیس نے پوچھ گچھ کر کے چھوڑ دیا۔ کشمیر کے کچھ فوجی قیدی بھی چھوڑے گئے۔ مجاہدین سرحد سے سیالکوٹ شہر چوہدری غلام عباس صاحب مسلم کانفرنس کے صدر مکان پر پہنچے۔

کچھ عرصہ پہلے چوہدری صاحب جموں جیل سے رہا ہو کر سیالکوٹ پہنچ چکے تھے مکان پر مجاہدین کی چوہدری صاحب کے بھائی سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے چوہدری صاحب سے ملاقات کرانے سے انکار کر دیا۔ مجاہدین مصر تھے اور کافی شور مچ گیا۔ چوہدری غلام عباس سوئے ہوئے تھے، وہ اُٹھ کر باہر آ گئے۔ جب چوہدری صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ پاکستانی مجاہد سرینگر میں قید کاٹ کر آئے ہیں تو انھیں یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ چوہدری صاحب کے ساتھ جموں جیل میں جیل کے حکام نے ناروا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ جب یہ خبر سرینگر جیل میں پہنچی تو پاکستانی مجاہدین نے بھوک ہڑتال کر دی تھی یہ واقعہ کافی مشہور ہوا اور چوہدری صاحب کو جموں جیل میں اس کا علم ہو گیا تھا

چوہدری صاحب نے اپنے بھائی کو خوب ڈانٹا اور تمام مجاہدین کو اپنے ساتھ بڑی عزت سے مکان کے اندر لے گئے، خوب خاطر مدارت کی۔ رات وہیں پر سلایا صبح خود دیگر حضرات کے ہمراہ سیالکوٹ ریلوے اسٹیشن پہنچایا اور گاڑی میں سوار کرایا اور باعزت الوداع کیا۔ تمام پاکستانی مجاہد بخیریت لاہور پہنچ گئے۔ یہ جولائی ۱۹۴۸ء کا مہینہ تھا اور ابھی کشمیر میں جنگ جاری تھی اور پاکستان اور بھارت کے فوجی مینڈھوں کی طرح ٹکرا رہے تھے۔

کے ایچ خورشید اور سقوطِ ڈھاکہ

سقوطِ ڈھاکہ کے سانحہ ارتحال نے پاکستانیوں کے دلوں کو جلا کر رکھ دیا۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ شکست نے ہر ایک کو ہلا کر رکھ دیا۔ سیاست دانوں، ادیبوں، صحافیوں نے اس شکست پر اپنے اپنے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی۔ مجموعی طور پر قوم نے اس کے اسباب جاننے کی کوشش کی۔ اسی خیال سے حمود الرحمان کمشن کا تقرر ہوا۔ دانش مند طبقہ کے خیالات سامنے آ گئے۔ سیاست دانوں نے اپنے اپنے دماغ کے مطابق وجوہات کو پیش کیا اور سب کچھ ہوا مگر حمود الرحمان کمشن کی رپورٹ منظرِ عام پر نہ آئی۔ یہ معمہ آج تک حل طلب ہے۔ یہ جنگ یعنی ۱۹۷۱ء کی جنگ فیصلہ کن تھی۔ فوجی شکست تھی یا سیاسی۔ ۲ر جولائی ۱۹۷۲ء کو طے پا جانے والا معاہدہ کی روشنی میں ACTUAL CONTROL LINE مستقل جنگ بندی تھی، بین الاقوامی سرحد قرار پائی؟ ایکچول کنٹرول لائن تھی۔ جناب خورشید حسن نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا:

- ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے مجاز صرف ریاست کے عوام ہیں۔ حکومتِ پاکستان کو اہلِ کشمیر کی طرف سے ریاست کی تقسیم کا کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی حکومتِ پاکستان سلامتی کونسل میں یا بین الاقوامی سطح پر حقِ خود ارادیت کے اصولوں کی روشنی میں مجوزہ

حل میں کسی ترمیم یا تنسیخ کی مجاز ہے۔ اسی طرح آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں میں سے کسی جماعت کو یا مقبوضہ کشمیر کی سیاسی جماعتوں میں سے کسی جماعت کو بھی عوام کی طرف سے ریاست کی تقسیم کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے اختیارات تفویض نہیں ہوئے۔ سلامتی کونسل کی قراردادوں میں رائے شماری کے طریقۂ کار کو مقبوضہ اور آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں کی تائید حاصل ہے۔ اس وقت بھارت اور بھارت نواز بین الاقوامی طاقتوں کی کوشش یہی ہے کہ پاکستان کی موجودہ کمزوری اور ملک کے اندر پائی جانے والی عدم تحفظ کی فضا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کشمیر کے بارے میں مختلف طریقوں سے دباؤ ڈال کر بھارت کی خواہش کے مطابق کوئی حل منوایا جائے لیکن اگر پاکستان کے حاکموں، سیاست دانوں اور عوام نے اس ماحول اور دباؤ کو قبول کیا تو اس سے پاکستان کے اپنے تحفظ اور مستقبل کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اہل پاکستان اور پاکستان کی حکومت کو کشمیر کے بارے میں بڑی سختی سے ڈٹے رہنا چاہیے اور اس مسئلہ کے حل کے لئے جو اصول طے کئے جا چکے ہیں جنھیں اقوام عالم کی تائید بھی حاصل ہے ان کی پوری شدت کے ساتھ حمایت کرتی ہے لیکن اگر کشمیری عوام کو نظر انداز کر کے یا ان کی مرضی کے خلاف زبردستی کوئی حل ٹھونس کر پاکستان اور بھارت نے دوستانہ مراسم قائم کرنے کی کوشش کی تو ایسی دوستی پائیدار ثابت نہیں ہوگی کیونکہ کشمیر کا مسئلہ خرمن امن کے لئے چنگاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ چنگاری اندر ہی اندر سلگتی رہے گی۔ کشمیری عوام کی خواہشات یا ان کے جذبات و احساسات

کو مسل کر پامال کر کے اور ان کی آرزوؤں کی راکھ کے ڈھیر پر پاکستان اور بھارت کی دوستی قائم نہیں کی جا سکتی"

ان خیالات کا اظہار انھوں نے اردو ڈائجسٹ کے ایڈیٹر الطاف حسن قریشی کے نام خط کی صورت میں ارسال کیا جو جولائی ۱۹۷۲ء کے ڈائجسٹ میں شائع ہوا۔

کے ایچ خورشید جموں وکشمیر کے بارے میں اپنی مخصوص سوچ، فکر، پروگرام اور لائحہ عمل کی وجہ سے مخالف جماعتوں کی تنقید و تنقیص، قطع و برید کا نشانہ بنتے تھے، بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ وہ کشمیر کی آزادی اور پاکستان سے الحاق کے مخالف ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہ تھا۔ نقطۂ نظر کا اختلاف تھا۔ سوچ و بچار متنازعہ تھی۔ ان کا پروگرام حقیقت پسندی اور حالات شناسی پر موقوف تھا۔ پاکستان مقبوضہ جموں وکشمیر کی آزادی کے لئے جو کاغذی گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ جو جو پروگرام طے پاتے، عمل درآمد ہوا۔ نتیجہ صفر نکلا۔ اس پس منظر نے ان کی سوچ کے دھارے کو بدل دیا تھا۔ موجودہ سخت رجحانات بین الاقوامی صورت حال نے ان کو PRAGMATIC بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے نزدیک کشمیر کی آزادی کا فارمولا یہ تھا۔ پاکستان آزاد کشمیر کو ایک خود مختار علاقہ بنا دے جس کی حکومت اپنے معاملات اندرونیہ میں آزاد و خود مختار ہو تاکہ ایسی حکومت اپنی بنیادوں پر مسئلہ کشمیر کو دنیا کے فورم پر اٹھائے۔ گرمجوشی پیدا کرے۔ بین الاقوامی کردار کی اہمیت کو واضح کرے۔ برصغیر کے ملکوں میں امن و آشتی کے قیام یا تباہی میں مسئلہ کشمیر کی سیاسی اہمیت کو نمایاں کرے۔ علاوہ ازیں کشمیری عوام کی آزادی کے لئے دھوڑ دھوپ کی صورت میں بھارت پاکستان کو مورد الزام نہ ٹھہرا سکے۔ ہر چند کہ ایسا ناممکن تھا۔ بھارت کی الزام تراشی تو پاکستان پر ہوتا تھی مگر دنیا کے ممالک کی اخلاقی اور سیاسی، جنگی، اسلحی امداد حاصل کر کے جہاں کشمیر کو آزادی سے ہمکنار کرنا سہل و آسان ہوتا۔ وہاں پاکستان پر بھارتی الزامات کی تردید کے لئے

ٹھوس اور مستحکم راہ حاصل ہوتی - موجودہ پگ ڈنڈیوں سے راہیں تلاش کی جا سکتی نہیں - پاکستان کو بڑی حد تک کسی ملکہ جیسا کہ حالیہ تحریک کی ذمہ داری سے بری الذمہ رکھنے میں اہم کردار ادا کر سکتی تھی - مزید براں آزادی کے حصول کے لئے آزاد کشمیر جیسی (BASE) کیمپ میں تبدیل ہو چکا ہوتا - یہی تمنا اور آرزو تھی - یہی حقیقی راہ اور لائحہ عمل تھا جو کارگر ہو سکتا تھا - قائداعظم کے سچے مجاہد سے یہ توقع رکھنا عبث تھا کہ وہ آزادی کشمیر کے بعد جموں وکشمیر کو خود مختار مملکت بنا دیتے اور پاکستان سے الحاق نہ کرتے بلکہ وہ تو راہ و راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے جو اپنا کر ایک کروڑ ۲۰ لاکھ کشمیری مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے ہم کنار کرتے ؛ تب پاکستان سے الحاق کی بات بھی ہوتی -

ایک مرتبہ انھوں نے راقم کو بتایا کہ خان ایوب خاں نے آزاد جموں وکشمیر کو پاکستان کا صوبہ بنانے کی سازش کی - مطلوب یہ تھا کہ کرسئ اقتدار کو کوئی آنچ نہ آئے - اقتدار کے ایام پر امن "تا نہ شاہیانہ" گزریں - ہر طرف پھولوں کی سیج ہو - کشمیر کی آزادی کے لئے کسی قسم کی آزادی کے لئے کسی قسم کی کوئی "تکلیف" نہ لی جائے - ہر دور میں مسئلہ کشمیر سے جان چھڑانے کی پوری کوشش کی گئی مگر رائے عامہ کی قوت و طاقت کے پیش نظر کوئی حکمران اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے - بہر حال ان کا نکتہ و موقف حقیقت پسندانہ تھا - جو ہر دور میں ہر کسی حکمران کو ناگوار گزرا - بہر حال جموں وکشمیر کا اونٹ جناب خورشید حسن خورشید کی بتائی ہوئی سمت کروٹ بیٹھے گا تو بار آور ہو گا - موجودہ حالات اس موقف کی اور بھی زیادہ تائید و حمایت کر رہے ہیں اور متقاضی ہیں کہ جلد از جلد اس سمت پیش قدمی کی جائے تاکہ ہم اپنی شہ رگ کو بچا سکیں البتہ اقتدار میں آنے اور رہنے کی مجبوریاں بے شک مصلحتیں پیدا کر کے سچائی کو چھپا دیتی ہیں -

کے ایچ خورشید اور سیاہ چن گلیشیر

سیاہ چن گلیشیر کا حدود اربعہ

سیاہ چن دنیا کا دوسرا بڑا گلیشیر ہے جہاں بقول جنرل ضیاءالحق شہید گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں اگتا۔ سیاہ چن لمبائی میں ۵۵ میل اور چوڑائی میں ۴۰ ریمیل ہے۔ اس کے اردگرد بلند و بالا چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ دنیا کی دوسرے نمبر پر بلند ترین چوٹی کے ٹو سیاہ چن کی ہمسائی ہے جہاں پاک فوج مورچہ بند ہے۔ مغرب میں تین مشہور درے گیانگ لا، ٹونڈ لا، سیا لا واقع ہیں۔ بھارتی فوج سیاہ چن پر قابض ہونے کے بعد ان دروں کو اپنی تحویل و آغوش میں لینا چاہتی تھی لیکن پاک فوج نے ان دروں تک بھارتی فوج کے ناپاک قدموں کو نہ بڑھنے دیا۔

۱۹۸۴ء سے لے کر آج تک سیاہ چن کا محاذ توپوں، میزائیلوں کے انگاروں کو سرد کر رہا ہے۔ یہ سطح سمندر سے ۲۰ ہزار فٹ بلند ہے۔ غالباً دنیا بھر کا واحد محاذ جو اتنی بلندی پر واقع ہے۔ بھارت نے کس نیت سے اس محاذ کو چنا؟ البتہ افغانستان پر روسی فوج کشی کے پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو کارفرما پوشیدہ و مستور عزائم کو سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہیں آتی۔ بھارت سیاہ چن کے بعد شاہراہ ریشم پر سے اپنے دیرینہ دوست روس سے جو واخان کی پٹی میں موجود تھا، ہاتھ جوڑنا چاہتا تھا تاکہ ایک طرف چین کا پاکستان کے ساتھ بڑی خشکی کا راستہ توڑ دے اور افغانستان کی جنگ میں روس کا عملی دوست بن جائے۔ نیز بھارت اپنی بالادستی کو پاکستان پر جما سکے۔

بہرحال جو عزائم بھی تھے وہ پرخطر و خوفناک تھے اور پاکستان کی سالمیت کے لئے ایک کھلا چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ خدائے عزوجل کی برکتوں سے بھارت کے داخلہ افغانستان کی بجائے خود روس کو افغانستان خالی کرنا پڑا۔ اپنی افواج کو نکال لیا۔

پھر بھی بھارتی افواج اس گلیشیر پر موجود ہیں۔ محاذ کھولنا تو بڑا آسان و سہل ہوتا ہے پھر محاذ پر ڈٹے رہنا بھی فوجی حکمت عملی کا حصہ بے شک محاذ کو ترک کرنا انتہائی مشکل بالخصوص اس وقت جب پالیسی اور اغراض و مقاصد تو تبدیل ہوجائیں - قوم پوچھے کہ ان گنت بھر قربانیوں کا کیا مطلب؟ اب بھارت اس محاذ کو ترک کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔ کیونکہ رائے عامہ کی قوت و طاقت عشروں پر مبنی وعادی مالی/جانی/اسلحی نقصان و زیاں کا حساب کتاب مانگے گی جو حکومت اس محاذ سے دست کش ہوگی اقتدار سے محرومی اس بھارتی حکومت کا مقدر ہوگی - نتیجہ یہ ہے کہ بھارتی حکومت نہ چاہتے ہوئے بھی ان رستے زخموں کو مرہم پٹی مہیا نہیں کرپائے گی - اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ پاکستان کو بھی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے مگر کیا جائے - ایسی بلا کا جو بن بلائے آئے لہٰذا مقابلہ کریں گے.....

سیاہ چن جموں و کشمیر کا حصہ ہے - ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ جموں و کشمیر میں اگر رائے شماری کرائی جائے تو چونکہ اکثریت مسلمانوں کی ہے - سو یہ علاقہ پاکستان کی ملکیت ہے - بھارت نے اس مسئلہ کے دو حل تجویز کیے - ایک یہ کہ سیاہ چن کو نو مینز لینڈ (NO MAN'S LAND) قرار دے دیا جائے - دوسرا یہ کہ اس کو غیر فوجی تسلیم کر لیا جائے - ان دونوں تجویزوں میں بھارت کی چالاکیہ عیاری و مکاری کارفرما ہے - یہ کس قدر ڈھٹائی و بے حیائی پر مبنی و موقوف کہ ہم مدعیان مالکان کو یہ پیشکش کی جائے کہ وہ اپنے گھر کو خالی کرکے اپنے قبضہ اور ملکیت سے دست کشی اختیار کرلیں -

دوسرے لفظوں میں بھارت کی پہلی تجویز کو مان کر جموں و کشمیر یعنی مقبوضہ جموں و کشمیر پر اپنے دعویٰ ملکیت سے دست بردار ہو جائیں - دلیل یہ ہے کہ سیاہ چن پر بھارت کا جس قدر بھی قبضہ ہے وہ سارے مقبوضہ جموں و کشمیر کی طرح غیر قانونی و غیر آئینی ہے۔۔

اگر سیاہ چن کو نو مینز لینڈ مان لیا تو گویا ہم اپنے علاقے سے خود ہی دست کشی

ہو جائیں گے اور بھارت کی بہانہ نما دلیل کو مان کر ہم کہہ دیں کہ ہم اپنے گھر میں داخل نہیں ہوں گے۔ بھارت کا تو یہ گھر ہے نہ ہے اور نہ ہی ملکیت۔ وہ رہے یا نہ رہے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن ہم حساب میں دستخط کر دیں کہ ہم اپنے گھر میں نہیں رہیں گے۔ بھارت تو غاصب ہے قبضہ غاصبانہ ہے۔ یہ صورت اس کو تو راس آتی ہے مگر ہم کو نہیں۔ یوں بھی یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ ہم اپنے علاقے سے خود ہی دست بردار ہو جائیں۔

جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے عہد حکومت میں باوجود اس کے کہ مذاکرات پر آمادگی ظاہر کی لیکن آخری دم تک اس تجویز کو منظور نہیں کیا۔ دوسری تجویز جو بھارت نے بڑے طمطراق سے پیش کی وہ یہ ہے کہ سیاچین گلیشیر کو غیر فوجی علاقہ قرار دیا جائے غیر فوجی سے مراد یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں ممالک اس گلیشیر پر اپنی فوج نہیں رکھیں گے۔ بظاہر یہ تجویز بڑی خوش کن ہے۔ نیز پہلی تجویز سے مشابہت و مطابقت رکھتی ہے۔ نو مینز لینڈ کا مقصد و مطلب بھی یہ ہے کہ اس خطہ پر کوئی آدمی نہ رہے۔ جب کہ غیر فوجی علاقہ قرار دینے کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ اس پر کوئی فوجی نہ رہے ظاہر ہے کہ دونوں ممالک کی مسلح افواج نہایت قیمتی غیر ملکی لباس خرید کر گلیشیر پر زور آزمائی کر رہی ہیں۔

۱۹۸۲ء سے لے کر آج تک دونوں طرف سے اسلحہ اور بارود سے اتنے فوجی ہلاک نہیں ہوئے جتنے کہ گلیشیر نے اپنی قدرتی آب و ہوا کے اثرات سے ہلاک کر دیئے۔ کجا کسی عام آدمی کا اس گلیشیر پر آباد ہونا۔ ان دو تجاویز کے باہمی ربط و تعلق سے یہ بات ظاہر ہے کہ بھارت متبادل تجاویز پیش کر کے پاکستان کو کسی نہ کسی طرح ان تجاویز کی کشش میں لا کر میز پر بٹھانا چاہتا اور دستخط لینا چاہتا تھا اور یہ دو تجاویز اب بھی اپنی جگہ بدستور کام کر رہی ہیں۔ ان تجاویز کے پس پردہ بھارت کے عزائم

جڑیں ہی کارفرما ہوں۔ پاکستان ان کو آشیرباد نہیں دے سکتا۔ چونکہ معاہدہ کی صورت میں ہم اپنی ہی زمین سے اپنے ہی اخراج کے معاہدہ پر دستخط نہیں کر سکتے۔

اس پیش منظر میں جب جناب کے ایچ خورشید مرحوم سے بات ہوئی تو غالباً ہماری اُن سے یہ آخری ملاقات تھی۔ ۲۹ر فروری ۱۹۸۸ء کو بوقت ۱۲ بجے کے قریب وہ مظفر آباد جانے کے لئے گوجرانوالہ آئے تو ان سے اظہارِ خیال کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو جناب کے ایچ خورشید نے کہا کہ سیاچین کا مسئلہ ۵ ۵ × ۴۰ مربع میل کا نہ ہے، اور نہ ہی کوئی مدبر اس مسئلہ کو محض اس کے رقبے کے نقطۂ نظر سے پرکھے گا۔ بلکہ اس کے دیگر زاویے اور اثرات جو مابعد پیدا ہوں گے، ان کو سامنے رکھا جائے تو بلا شبہ اس حقیقت تک رسائی ممکن ہوگی کہ ۱۹۴۹ء میں سیز فائر لائن بنی پھر ۲ر جولائی ۱۹۷۲ء کو معاہدہ شملہ کے مندرجات سے ایکچوئل کنٹرول لائن برآمد ہوئی جو بین الاقوامی سرحد کے مفہوم اور مطلب کے قریب ترین ہے۔ سیز فائر لائن جنوب سے شمال مشرق کو جاتی ہے اس سیز فائر لائن پر واقع سیاچین گلیشیئر ایک چوکور بناتا ہے اور یہ چوکور پاکستان کے رقبے میں یا علاقے میں واقع ہے۔ اس چوکور کے مغربی کنارے یعنی درہ تو ژلہ، سیالہ کے منہ سے شروع کر کے اگر شمال مشرق کو جائیں تو اس چوکور کے شمال مشرق اور شمال مغرب کے درمیان جتنا رقبہ واقع ہوگا بھارت اس رقبے کی ملکیت کا دعویٰ کرے گا۔ بجنسہٖ شرقی جنوب اور مغرب جنوب میں جو تکون بنے گی اس کا بھی بھارت دعوے دار ہوگا۔ یوں یہ رقبہ ہزار مربع میل بن جاتا ہے۔

خدشہ یہ ہے کہ سیاچین کو ایک برف کا ٹکڑا یا تنکا کہہ دینے سے کہیں ہزار مربع میل کا رقبہ ذہنی لاعلمی کی وجہ سے بھارت کو نہ دے بیٹھیں۔

انھوں نے اس پریس کانفرنس میں مختلف سوالوں کے جوابات بھی دیئے افغانستان کی صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب کے ایچ خورشید نے کہا کہ کوئی مسلمان بھی خواہ

وہ کبھی رہتا ہو، یہ پسند نہیں کرتا کہ روس افغانستان پر اپنا تسلط قائم کرے۔ اس لحاظ سے حکومت پاکستان کی پالیسی بالکل حق پر ہے تاہم یہ ضرور خیال رکھنا ہوگا کہ روس کی مخالفت و مخاصمت میں ہم ایک پول سے دوسرے پول سے بہت دور نہ جائیں کہ جہاں سے واپسی ناممکن ہو اور پھر اس لئے بھی کہ بھارت ہماری مشرقی سرحد پر ہم جوئی کے نقطۂ نظر سے ڈیرے ڈالے رکھتا ہے۔ ہر وہ پالیسی جو قومی امنگوں کی آئینہ دار ہو۔ ہم اس کی حمایت اس سے جب بھی جتنا بھی انحراف ہوا اس کی نشاندہی کریں گے اور قوم کو اس کے نتائج و عواقب سے آگاہ کریں گے۔

پریس کانفرنس کے اختتام پر حاضرین نے چائے پی۔ خورشید صاحب مسکراتے رہے۔ مجھ سے پوچھا کہ آج آپ نے کوئی خاص بات نہیں کی۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ اہم ملکی اور بین الاقوامی امور پر آپ نے اپنا بالوضاحت بیان دیا ہے۔ گنجائش ہوتی تو آپ سے ضرور سوال کرتا۔ انھوں نے اصرار کیا کہ کچھ تو بولو۔ میں نے ان کے اصرار پر ان سے پوچھا کہ جی ایم سید اسندھ میں آزاد سندھو دیش کا حامی ہے۔ اس کی قیادت تلے نام نہاد خود مختاری کی تحریک چل رہی ہے۔ جی ایم سید نے بھارت کا دورہ کیا ہے۔ راجیو گاندھی سے نام نہاد سندھو دیش کے لئے تعاون کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب میں کے ایچ خورشید نے کہا کہ لفظ غدار اتنا عام ہو چکا ہے۔ ایک جماعت اپنے ذاتی مفادات مخصوص مصلحتوں کے پیش نظر دوسری جماعت کے سربراہ کو ملک دشمن اور غدار کہہ کر پکارتی ہے۔ ان معروضی حالات میں غدار کا تشخص و شناخت ناممکن ہے۔ البتہ جو شہری آزادانہ پاکستان کو توڑنے کی بات کرتا ہے، اس بات کی تصدیق کے لئے ذرائع قابل اعتماد ہوں، حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملزم کو گرفتار کرکے اس پر غداری کا مقدمہ چلائے۔ جو حکمران دانستہ طور پر چشم پوشی عافیت

پوشی، تالیفِ ذہن سے کام لے کر غدار کو اس کے حلقہ کے اندر کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو ایسے حکمران اس غدار سے کم نہیں۔ آخر تعزیراتِ پاکستان میں بنائے گئے قانون کی کیا افادیت ہے؟ اگر اس کا اطلاق نہیں کرنا جیساکہ ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ جماعت دشمنی حکمران سے اختلافات، خیالات سے عدم اتفاق، طریقہ کار سے انحراف ایسی صورتیں ہیں کہ جن پر غداری کا لیبل لگانے سے پہلے ہزار بار سوچنا ہوگا۔ لاریب جس کے خمیر اور ضمیر میں پاکستان دشمنی رچی لبسی ہے، کو معاف کرنا ملک سے کھیلنے کے مترادف ہے۔

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ مظفر آباد جا رہے ہیں لیکن گجرات میں بھی کچھ وقت کے لئے رکنا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ میں نے عدالتی مصروفیات کی وجہ سے معذوری ظاہر کی۔ البتہ میرے چند وکلاء دوست ان کے ساتھ گجرات روانہ ہوئے۔ ہم نے ان سے الوداعی کلمات کہہ کر کچہری کا رُخ کیا اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوئے۔ یہ تھی ان سے آخری ملاقات!

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے۔ وہ لاہور سے گوجرانوالہ بذریعہ ٹویوٹا ویگن سوار آئے تھے۔ گوجرانوالہ سے ایک کارکن کی کار میں بیٹھ کر گجرات پہنچے۔ جہاں سے وہ فلائنگ کوچ میں بیٹھ کر راولپنڈی گئے۔ قبل اس کے کہ میں، کے ایچ خورشید کے ساتھ اپنی یادوں کو ختم کروں، یہ ضروری ہے کہ ان کی زندگی کے اس حصے کا جس کا تعلق غیر وابستہ ممالک کے سربراہی اجلاس جو ہرارے میں منعقد ہوا۔ جس میں کے ایچ خورشید مرحوم نے جموں وکشمیر لبریشن لیگ کے صدر کی حیثیت میں شرکت کی، کا ذکر کروں۔ اس اجلاس میں انھوں نے جموں وکشمیر کے مظلوم، مغضوب مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ کانفرنس کو بتایا کہ مسئلہ کشمیر کیا ہے؟ اور بھارت کس حد تک ظلم وستم کے پہاڑ مسلمانوں پر ڈھا رہا ہے۔ غیر وابستہ ممالک کی سربراہی کانفرنس زمبابوے کے دارالحکومت ہرارے میں یکم تا چھ ستمبر ۱۹۸۶ء

میں ہوئی۔ اس کانفرنس میں انھوں نے اپنا جو تحریری موقف پیش کیا جو ایک یادداشت کی صورت میں ہے، انگریزی زبان میں لکھا گیا ہے جو من وعن انگریزی میں دیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام اس یادداشت کا مطالعہ کر کے از خود یہ نتیجہ اخذ کریں کہ وہ کیا تھے؟ اور کس طرح اس سربراہی اجلاس میں شرکت کرنے میں کامیاب ہوئے؟ ان کا موقف کیا تھا؟ اس نقطۂ نظر کو پیش کرنے میں انھوں نے کس قدر تن دہی، جانفشانی سے کام کیا۔ آزاد کشمیر کے لئے ان کے دل میں کس قدر تڑپ اور جذبہ موجزن تھا۔

٭

KASHMIR ISSUES

AT THE

8TH NON-ALLIGNED SUMMIT

HELD AT

Harare Zimbawa

1-6 September, 1986

Memorandum Presented by

K. H. KHURSHID

President

Jammu & Kashmir Liberation League

with a brief back-ground

INTRODUCTION :

The Jammu & Kashmir Liberation Leauge was formed in 1962 at a representative convention of people of Azad (Free) Kashmir and the Kashmiri Rafugees living in Pakistan on September, 29/30th 1962. The convention was attended by Mr. K.H. Khurshid who was the first elected President of the Azad (Free) Jammu & Kashmir Government and 9 elected Councillors out of 12 members of the Azad Kashmir State Council, which was the first elected, representative institution. The area of Gilgit and Baltistan were represented by Kachu Muhammad Ishaque who was also an elected Councillor. Two thousands delegates from all over Azad Kashmir & the refugees living in Pakistan also participated in this convention.

Although the Kashmiri struggle for freedom, self-determination and representative Government had been going on for some years, the Liberation League is the first party which, in order to underline the objective of freedom and liberation, designated itself as Liberation League in order to highlight the main objective of freedom.

The convention adopted a constitution with an objectives resolution which had been earlier adopted on 11th August, 1962. The objectives of the Liberation League were set out in this resolution as :—

Firstly, to prepare the people of the State for the decisive moment and the final struggle for freedom and self-determination ;

Secondly, to strive for the recognition of the Azad Government of the State of Jammu & Kashmir as the lawful Government of the entire State ;

Thirdly; to strengthen and stabilize the repren-tative system or Government in Azad Kashmir with a view to protect and defend the democratic, civic & traditiional Islamic values as well as to promote close ties with Pakistan.

Finally for this purpose to re-unify the state and organize public opinion under the banner of the party.

The Liberation League stands essentialy for the freedom of the people of the Jammu & Kashmir State & their right of self-determination to choose their own future. The Liberation League is committed not to compromise on this principle.

In this connection, considering the background of the issue and United Nations decisions, set out in the Resolutions of the United Nations Commission on India & Pakistan (UNCIP), the Liberation League believes that these Resolutions should be effectively implemented. It is for this reason that the Liberation League has repeatedly demanded the withdrawal of Indian troops from the State, this being a condition precedent to the holding of a free plebiscite. Pakistan has already declared that she is willing to withdraw her troops.

INDIAN INTRANSIGENCE :

The Government of India has on various pretexts tried to back out of the commitments made

NAM SUMMIT AT HARARE :

As the next step in this direction, Mr. K. H. Khurshid President of the Liberation League and the spokesman of the international Kashmir Conference attended the Non-aligned Summit at Harare, Zimbabwe from September 1-6-1985. There Mr. Khurshid was able to contact a number of heads of delegations and representatives of the various movements. The measure of Mr. Khurshid's success at Harare Summit is the sharp reaction, anger & discomfiture of the Government of India, whose so-called claim to moral superiority was thoroghly exposed. In an appeal which was distributed among the dlegates at Harare, Mr. Khurshid presented the point of view of 10 milion people of Kashmir. He was also able informally to meet, President Kenneth Kaunda of Zambia, Col: Gaddafi of Libya, Mr. Yasser Arafat, the Chairman of the PLO, Mr. Daniel Ortega President of Nicaragua, Comrade Fidel Castro of Cuba, The President of Yugslavia, The Presidents of Mali Guinea, Benin, Madgascar, the Foreign Ministers of Algeria, Iran, Nepal, Sudan, Liberia, the leaders of Swapo and delegates from a large number of other countries, besides the Prime Minister of Zimbabwe, Mr. Robert Mugabe. Mr. Khurshid said that he felt that there was a better understanding of the Kashmir issue The text of the Appeal in the form of Memorandum is annexed herewith.

The Government of India irritated by the contacts made by the President of the Liberation League, Mr. K. H. Khurshid, and the subsequent momorandum circulated by him decided to counter the move in a most clumsy manner. They had

and they do have no answer to the acts and circumstances narrated in the Memorandum. So they started by accusing the Government of Pakistan that Pakistan had included Mr. Khurshid as one of their delegates. But later they learnt that this was not correct. President Ziaul Haq of Pakistan was as surprised to see Mr. Khurshid at Harare as anybody elese. On the other hnad, the then Indian Foreign Minister, Mr. Shiv Shankar knew of Mr. Khurshid's presence from the very first day of the Summit. The second strory spread py the Indian Press was that Mr. Khurshid had been sponsored by sum gulf country. Without looking into the matter coolly, the Government of India continued to make wild guesses-but the truth and the reality was not accepted by them. The truth is that Mr. Khurshid was not sponsored not did from part or member of any delegation. The reality is that the Kashmir issue is one of the major issues in the third World and the Non-alligned Movement, but India, Ostrich-like is not willing to see, much less to speak about it.

India's discomfiture is also easily understood for the simple reason that self-determination is one of the fundamentals of the basis of the non-aligned Movement. Therefore the Government of India is at pains to cover up the very existence of this most vital issue. India's credibility in the NAM has come to a low ebb and India's moralization is now taken by the members of the Non-aligned movement with a grain of salt, particularly the countries closer at home & those who have tasted some of India's high-sounding moral principles in actual practice.

An appeal to the Members of the Non-Aligned Movement The Case of 10 Million People of Kashmir & india's Role Memorandum Presented on behalf of the Jammu & Kashmir Libration League to the Delegates of the Eighth Non-Aligned Summit at Harare, Zimbabwe

On behalf of the 10 million people of Jammu and Kashmir State popularly known as KASHMIR. I greet the members of the non-Aligned States Delegations. We pray that this historic Conference will be able to chart out a course of action for the future, avoid the pitfalls of the past and analyse and examine the issues particularly within the non-aligned countries and areas and take effective steps to remove the areas of tension and friction within the member States of the Movement.

In this respect the keynote address delivered by Robert Mugabe, now the Chairman of the Movement calling for "action" is of vital importance. The people of Kashmir extend their greetings to Comrade Mugabe and his brave & patriotic colleagues for their heroic struggle culminating in the termination of Imperialism and the emergence of Zimbabwe as a free member of the comity of nations. We are confident that Zimbabwe is distined to play an effective role in the Movement. We pray for the solidarity strength of the new nation and hope that it will be able to mobilize its resources to the well-being of the third World in particular African nations and also evolve a system of internal Government strengthened by tribal unity and the proper exploitation of its natural resources.

A lot has been said during the Conference against "hegemonism", "domination", "exploitation", "moral principle" and peaceful means of settling disputes and solving the issues. But an inward look at the background of the Kashmir question, the procrastination and delay in the holding of a plebiscite, will show that the policies of the Government of India are self-defeating in this regard. Preaching rather than practice is the keynote of the role India played.

The State of Kashmir with an area of nearly 85,000 sq. miles and a population now estimated on the aggregate at about 10 millions is a State in the South Asian Sub-Continent which now comprises three independent states - all members of the non-Aligned Movement-namely, India, Pakistan and Bangladesh. Kashmir lies at the foothill of the North-Western Himalays, below the Pamirs, and has a strategic location, its borders touching China, Afghanistan — USSR is next door and Pakistan and India.

The people of Kashmir were involved in a struggle against their autocratic ruler when India became free in 1947. As the movement gained momentum the ruler sensing defeat and having fled the capital asked for India's support. Indian Army, Air Force, Special Service Groups and other crack units invaded the State & a War ensured between the Free (Azad) Kashmir forces & the Indian Army. It was then that Mr. Jawaharlal Nehru declared to the World :—

"I give my pledge not only to the people of Kashmir but the entire world that Indian troops

will withdraw from Kashmir and a free plebiscite held to enable the people to chose their own future''

India then took the matter to the United Nation alleging that Pakistan was aiding the Kashmiri people and was guilty of ''aggression''. But the falsehood of the Indian allegation was soon exposed and the UN Security Council unanimously adopted a resolution for the withdrawl of troops from the State and the holding of a free and impartial plebiscite under UN auspiccs. India accepted the Resolutions and consequently there was a cease-fire on 1-1-1949.

The World has been waiting ever since for India to fulfil her commitments and to withdraw the troops. Numerous attempts by a United Nations Commission, and other agencies failed to persuade India. In the meantime Kashmiri people continue to suffer. Their families are divided and through the hospitality of Pakistan nearly a million refugees are living in Pakistan. India has on the other hand strengthened its military hold over nearly 2/3rd of the State and at present it is estimated that there are about 10 divisions of Indian troops and other paramilitary forces. India has been continuously indulging in glib talk about peaceful solution of the problem, at the same time, often denying the very existence of the problem at all.

RESPECTED DELEGATES :

In the circumstances narrated above the agony of the people of Kashmir can be well imagined. Over the years hundreds of them have laid their

lives, thousands rendered homeless, thousands have faced incarceratjon and detention. Every Kashmiri is a suspect in the eyes of India (in the Indian occupied part of Kashmir). The administration in the main is in the hands of Indian officers and Indian security & intelligence men are spread all over the area.

The Government of Pakistan has expressed its willingness to adopt any peaceful method for the solution of the problem—but progress cannot be made and this deadlock seems to be proceeding to no solution.

In this august Assembly which consists among others of great freedom fighters like Fidel Castro, Kenneth Kaunda, Robert Mugabe, Agha Khamenai, Yasser Arafat, Daniel Ortega, Col. Moammar Gaddafi, Samora Machel, it should be a matter of concern to all that the members and leaders of the non-aligned Movement come with clean hands. The moral and the basic questions is how can the movement compel a member State to fulfil its commitments, honour its word, implement accepted solutions and abandon the use of force against a people fighting for freedom and self-determination.

What has happened in Kashmir can also be repeated in South Africa, Namibia, Nicaragua and Palestine. It is worse in Kashmir where the aggressor belongs to the non-aligned Movement and has been its founder and Chairman for three years.

It is worse because India herself made the Commitment which was embodied in & sanctified

by the Resolutions of the United Nations Commission. How can the third World countries deal with a member which persists in subjugating a people, denying their right of freedom and self-determination and making a mockery of its solemn commitments. That is the question.

The Conference has demanded freedom and majority rule in South Africa, it has emphasized and demanded the return of refugees to Palestine and the destruction of the Israeli regime, it has pledged full support to the people of Namibia and Nicaragua. It has also voiced the sentiment that troops of foreign countries withdraw from Afghanistan so as to allow its people to choose their own future freely. All these vital considerations apply to Kashmir with much greater force. The war in Iran and Iraq has not come to an end because the parties are not willing to negotiate but in the case of Kashmir the three parties namely India, Pakistan and the people of Kashmir not only stopped fighting but accepted a solution—but the intransigence of one of the parties, namely India has aimed at one thing namely to sabotage the peaceful solution ; to deny the people of Kashmir their unity and freedom and to suppress them by force, fraud, intrigue and subterruge.

We feel very strongly that peace in the third World countries is essential for the well-being of the people for eradication of disease, poverty, hunger, illiteracy and strangulating control. Unless the people are allowed to come into their own and fearlessly choose their own way of life, the Non-aligned movement will be stymied by its own conduct.

To the people of Kashmir the question is a basic one : it is that of their human, fundamental and political right of freedom. Freedom to shape their country according to its own traditions and to their own wishes ; freedom to have their own system of Government and establish their own norms ; freedom to carve the path of their destiny.

We wish to make one thing absolutely clear ; The people of Kashmir will never accept any compromise on their inalienable right to freedom and self determination.

We demand that India and Pakistan withdraw their troops and facilitate the holding of a free and impartial plebiscite in the State after its re-unification as contained in the United Nations Resolutions. The people of Kashmir in both the parts should be re-united and allowed unhindered to determine and decide their future. That is the only peaceful solution to the problem.

We would like to caution and warn the non-aligned movement that if this solution is not given effect to, peace in South Asia will sooner or later be disturbed and the responsibility for this shall lie squarely on those opposing and obstructing the peaceful and democratic solution detailed above.

I would earnestly and with all sincerity urge upon the non - aligned countries to give their serious thought to the issues involved. If peace, freedom, self-determination, anti-hegemonism, anti colonialism, and anti-domineerism are the fundamental principles on which the movement is based then it is the duty of Indian Prime Minister to lead

the way by fulfilling the commitment made by his grand - father and one of the founders of the movement Pandit Jawaharlal Nehru, and pave the way for the holding of the plebiscite in the entire re-united State of Jammu & Kashmir.

On behalf of the people of Kashmir, assure their Majesties, Presidents, Heads of State, Prime Ministers, Leaders of Freedom movements that we shall fully endorse, adopt and support the objective of the Movement.

(K.H. KHURSHID)
President Jammua & Kashmir
Liberation League :
Muzafarabad (Azad Kashmir)

HARARE,
September 5, 1986.

Published by :

Farooq Suhail

Secretary Jammu & Kashmir

Liberation League Central Publicity Board.

VERINAG BOOK CENTRE, MIRPUR (A. K.)

7 - TURNER ROAD, LAHORE.

Price Rs. 5/-

Geographic Introduction

The state of Jammu & Kashmir is a centuries old territory consisting of different Geographical units. It has an area of 85, 885 square miles. It is situated on the extreme North of Indo-Pakistan subcontinent and is in the heart of Central South Asia. It adjoins five independent countries namely Pakistan, Afghanistan, Soviet Union, China and India. The frontier of this State on Pakistan sides extends to over 700 kilometers. The population of the state is about 12 million i.e. one crore 20 lakhs. The 80% of its population is Muslim.

Historical Background

Historically, the state of Jammu & Kashmir remained under the rule of Muslims for 700 years, predominantly from 1310 AD to 1891 AD. After decline of Muslims all over the subcontinent the Muslims lost power over the state. The Sikhs invaded Kashmir and kept it under their savagery up to 1846. This state was sold to the Dogra chieftain of Jammu & Kashmir, Sardar Gulab Sigh for 7.5 million rupees on 16 March 1846. The Dogra Dynasty ruled the state up to 1947 AD.

Dogra-Rule and Liberation Movement

The Dogra Rulers mercilessly exploited the people of the state and exhorted the last penny out of their pockets. The 80% Muslim population of the state toiled, sweated and suffered under the Dogra Rule but the 20% Hindu minority wallowed in pleasure, prosperity and luxury. The Muslims had to pay tax on their windows, chimneys, ovens, kitchens and their wives. Muslims were put under the Yokes of Forced Labour and had to drudge like slaves under the bayonets and guns of Dogra.

This oppressive and tyrannical rule of Dogra became intolerable and the people of the state started their struggle for freedom in the year 1924. The freedom struggle of the Kashmiries was at its apex in 1946-1947 which was a crucial period in the history of the State. The Dogra Ruler, in spite of its repression, Terror and violence was not able to maintain his stranglehold in the state. The Kashmiries Freedom Fighters liberated about 32000 square miles of the state and established a rebellious dejure and revolutionary Government in the liberated part of the state on 24 October 1947 and a provisional Treaty of accession was executed on the basis of

which the Indian Army was dropped and pushed into the state to fight against the Freedom Fighters on 27 October 1947. That Treaty provided that as soon as normal conditions would prevail the peoples of Jammu & Kashmir would be given a right of self determination.

The Indian Army, which was armed with the latest modern weapons committed naked aggression against the state and occupied 2/3 of the state which is about a 53000 square mile area. When the Kashmiries Freedom Fighters made a Counter Attack on Indian Forces and fought dauntlessly and bravely, the advance of Indian Armed Forces was halted. The Indian Government rushed to the Security Council and referred the issue of Kashmir there. This issue remained under discussion of the Security Council in the years 1948-1949. Ultimately, the Security Council passed a resolution of 13 August 1948 & 5th January, 1949 and other subsequent resolutions calling for the cessation of hostilities which would be followed by the free and impartial plebiscite on the question of accession and the Kashmiries would be provided an opportunity to decide their future.

About 42 years elapsed. The Indian Government is ruling the state of Jammu and Kashmir with violence, tyrany, flagrant violation of rights of Kashmiries and the terror is let loose there, arrests, butchering of babies, molestations of women is commonplace, hundreds of the Muslims have been slain and butchered to death, political workers have been arrested and detained, every voice that was raised in demand of freedom and right of self determination is gagged. The political atmosphere is marred with malpractices, pressures, coercion, bribery, repression and terror and that state is being ruled and run under the shadow of bayonets and guns, there is a persistent torture, economic chaos, moral degeneration, Administrative Corruption, Government coercion, insecurity and strangulating restrictions. The state is riddled with police militia, special police and Government informers who can haul up any Kashmiri, to the police station. Hundreds have been killed, thousands arrested and detained in gaols. The whole of Kashmir is a big prison house. The whole valley is seething with unrest, demonstrations, street to street fighting, killing, firing, curfew, curbs, door to door search is the order of the day.

Now under these circumstances the people of Kashmir want freedom to shape their destiny in accordance with their own wishes and they will never compromise on this inalienable right of self determination. We demand that India and Pakistan should withdraw

their troops and facilitate the holding of a free and impartial plebiscite in the state after its reunification as contained in the United Nations Resolutions. The people of both sides and parts of Kashmir should be reunited and allowed unhindered to determine and decide their future. The Indian Government should be forced to fulfil the pledges and commitments made before the United Nations otherwise the peace and tranquility of the subcontinent is nothing more than a farce.

I want to bring to your notice the following commitments made by Indian Government and the Indian leaders off and on with respect to Kashmir issue, which are as under:

India's Commitments on Kashmir

(i) On 15th January 1948, India's Representative at the United Nations declared in the Security Council whether she should withdraw from her accession to India and either accede to Pakistan, or remain Independent with a right to claim admission as a Member of the United Nations. All this we have recognised to be a matter of unfettered decision by the people of Kashmir after normal life is restored.

(ii) On 3rd February 1948, the same Indian Representative declared in the Security Council "As the Security Council is aware, the Government of India is fully committed to the view that, after peace is restored and all the people belonging to the state have returned there, a free plebiscite should be taken and the people should decide whether they wish to remain with India, go over to Pakistan or remain Independent if they wish to do so".

(iii) In a report to the All India Congress Committee on 9th July 1951, Pundit Jawahar Lal Nehru, the Prime Minister of India, said:

> "Kashmir has been wrongly looked upon as a prize for India or Pakistan; people seem to forget that Kashmir is not a commodity for sale or to be bartered. It has an individual existence and its people must be the final arbiter of their future".

(iv) The Joint Communique issued after the meeting of the Prime Minister of India and Pakistan in new Delhi on 20 August 1953, said:

> "The Kashmir dispute should be settled in accordance with the wishes of the people of the State. The most feasible method was by fair and impartial plebiscite".

(v) The Resolution dated 13 August 1948 of the United Nations Commission on the Issue (UNCIP) accepted by both India and Pakistan, which forms the very base of Kashmir at the U.N. provided for final desposition of the whole Kashmir issue of the U.N., is in full accordance with the will of the people of the state freely expressed under United Nations' supervision. The Security Council, through its Resolution 80, dated 14th March 1950, commended the Governments of India and Pakistan for agreeing to determine the final disposition of Jammu & Kashmir State in accordance with the will of its people.

> "....Whether the (Kashmir) should withdraw from her accession to India, and either accede to India or remain independent, with a right to claim admission as a member of the United Nations - all this we have recognised to be a matter for unfettered decision by the people of Kashmir after normal life is restored there".

(Sir Gopalaswami Ayyangar,
Leader of the Indian Delegation,
before the Security Council,
January 15, 1948)

> ".....We have declared that the fate of Kashmir is ultimately to be decided by the people. The pledge we have given, and the Maharaja has supported it, not only to the people of Kashmir but to the World. We will not, and cannot, back out of it. We are prepared when peace and law and order have been established to have

referendum held under International auspices like the United nations....."

(Pandit Nehru's Broadcast from New Delhi on November 2, 1947)

".....The question of accession is to be decided finally in a free plebiscite, on this there is no dispute. There will be no victimization of any native of the State, whatever his political view may be, and no kashmiri will be deprived of the right to vote."

(White Paper - page 45 - on Kashmir issue by Govt. of India, 1948)

".....It is my firm conviction that sovereignty rests with the people and all relations, political, social and economic flow from the collective will of the people".

(Extract from the Defence Statement of Sheikh Mohammad Abdullah in the case after "Quit Kashmir Movement").

In the last it is respectfully appealed to the democratic loving people of the world and the humanity at large to help the Kashmiri freedom fighters who are being mercilessly butchered and massacred by the Indian Armed Forces in Jammu & Kashmir. About 500 freedom fighters and others have been killed and arrested there but the freedom fighters are fully determined to fight till emancipation from subjugation of the India. Thus the resolutions passed by the Security Council on 13.8.1948 and 5.1.1949 are clear and ample prof to this effect that still Kashmir issue is alive and is on the file of the Security Council but the India's design to curb this movement under cover of Bayonets, Guns, Kalashankofs and Curfew would not materialise.

So, we the Kashmiries on either side of Kashmir support freedom fighters whole heartedly in their just cause of liberating

themselves from the clutches and stanglehold of India. We fully assure them that we will leave no stone unturn to provide support to the freedom fighters in every nook and corner of the world and in every field. Indian Government has floutered and thwarted the commitments and resolutions of the Security Council for the purpose of perpetuating the naked aggression on Kashmir for the last 42 years and prolonging the agoney of Kashmiries.

We appeal to the world communities who believe in democracies and right of self determination to come to the aid of the Kashmiri freedom fighters practically and help them financially, armamentally as well as on international level in the field of Security Council and the United Nations organization, so that the yoke of India slavery may be put off from the shoulders of the Kahmiries.

(Muhammad Sharif Tariq)
President,
Jammu & Kashmir Liberation League

کے ایچ خورشید اور ہرارے کانفرنس

انگریزی زبان میں رقم شدہ معروضات مسئلہ کشمیر پر محیط پس و حال و پیش حقائق و احوال کے بعد اس بات کا تذکرہ ازحد ضروری ہے کہ غیر وابستہ ممالک کی اس کانفرنس میں کے ایچ خورشید (مرحوم) کس طرح اور کیونکر رسائی و پہنچ کے حصول میں کامیاب ہوئے اور وہاں کیا ہوا؟ ہر چند کہ حکومت پاکستان نے بھارتی فوجی قوت، افغانستان میں روسی لشکر کشی، روسی قیادت کی آئے دن دھمکیوں سے مرعوب ہو کر نہ تو خود مسئلہ کشمیر کو اٹھانے کا اہتمام کیا۔ لیکن اپنے پروگرام میں شامل کیا۔ اگر کیا ہوتا تو لازماً ۱۹۸۶ء کی قیادت آزاد کشمیر جنرل ضیاء الحق شہید کے ساتھ جاتی یا اس سلسلہ میں کوئی چھوٹا موٹا وفد تشکیل دے کر اپنے ہمراہ یا الگ روانہ کرتی اور نہ ہی جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے غیر سرکاری وفد کی روانگی کا انتظام و انصرام کیا حالانکہ ایسی بڑی تنظیموں کے پلیٹ فارم پر ایسے مسئلہ کو اٹھانا، اس کو زندہ کرنے کے مساوی و مترادف تھا۔ پھر بھی وسائل و ذرائع کی کمیابی و قلت کے باوجود غیر وابستہ ممالک کی تنظیم کی بساط سے مسئلہ کشمیر کو اٹھانا ایک اہم کارنامہ ہے جو ہر لحاظ سے قابل تحسین و آفرین ہے۔ اس نمائندگی کو بھارت کی مخالفت کے تناظر میں دیکھیں تو اور بھی داد و توصیف دینے کو جی چاہتا ہے اور نمائندگی کرنے والے کے جذبہ حب الوطنی کشمیر کی آزادی کے لئے تڑپ و حرارت کا پتہ چلتا ہے۔ کے ایچ خورشید (مرحوم) نے بتایا کہ ہرارے میں منعقدہ اس تنظیم کے سیکریٹری سے ان کے ذاتی مراسم تھے تو اتنے پیمانے پر ذاتی تعلقات کا وجود اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ بین الاقوامی شہرت و عزت کے مالک تھے۔ انھوں نے سیکریٹری سے چھ ماہ

پہلے رابطہ قائم کیا۔ دمائی وہراہین سے قائل کر کے دعوتی کارڈ کا اجرا کرایا۔ اس اجرا کو آخری دم تک یعنی کانفرنس میں شرکت تک صیغۂ راز میں رکھا۔

انھوں نے بتایا کہ اس کانفرنس سے آزادی پسند اقوام کو بھی مدعو کیا گیا۔ اگر یہ نہیں تو صرف کشمیری نمائندوں کو نہیں۔ اگرچہ یہ کام ہماری حکومت پاکستان کا تھا مگر مجھے خود کرنا پڑا۔ لندن اور ہرارے جانے کے اخراجات بھی کم نہ تھے۔ دوستوں کا مشکور ہوں جنھوں نے اس قابل بنایا کہ ہرارے جا کر کشمیری نمائندگی کر سکوں۔ ہرارے میں جس دن کانفرنس کا آغاز ہوا تو مختلف مقررہ نشستوں میں ایک نشست کشمیر کی بھی تھی۔ جب اس نشست پر جا کر بیٹھا تو بھارت کے راجیو گاندھی کو میری موجودگی کا علم ہو گیا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ غیر وابستہ ممالک کی کانفرنس میں بھارتی وفد کی قیادت راجیو گاندھی وزیر اعظم خود کر رہے تھے جب کہ وفد کے دیگر ارکان میں سبرا نیم اور بھارتی وزیر خارجہ شامل تھے۔ اسی طرح پاکستان کے وفد کی قیادت پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہید کر رہے تھے۔ وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خاں کے ہمراہ تھے۔ بھارتی وفد میری موجودگی سے تلملا اٹھا۔ سبرا نیم اٹھ کر میزبان ملک کے سربراہ کے پاس گئے۔ پوائنٹ آف آرڈر پر زبانی احتجاج کیا اور کہا کہ ہمارے نوٹس کے بغیر کشمیر کو کیوں نمائندگی دی گئی ہے۔ کشمیر تو بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ اس کی موجودگی ہمارے لئے گوارا نہیں۔

سیکرٹری کانفرنس نے کہا کہ آپ لکھ کر احتجاج کریں جس پر سبرا نیم نے اپنے پی اے کو زبانی ہدایات جاری کیں چنانچہ تحریر بنا کر سیکرٹری کو پیش کر دی گئی۔ سیکرٹری نے وضاحت پیش کی کہ برصغیر پاک و ہند میں خطۂ کشمیر کے لوگ اپنی آزادی کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ سلامتی کونسل نے حق رائے دہی کی قراردادیں منظور کی ہیں۔ بھارت نے ان کو منظور کر رکھا ہے لیکن آج تک ان قراردادوں پر عمل نہیں کیا۔ اس عرصہ کے دوران ۱۰۰ ممالک کے مندوبین میں کشمیر کی تاریخ، اس کے پس منظر اور بھارتی جور و ستم، بھارتی افواج کی سنگینوں سے کشمیر کے مسلمانوں کا

جو جگہ جا بجا چاک ہے پر مشتمل پمفلٹ تقسیم کئے اس پر بھارتی وفد واک آؤٹ کر گیا ۔ وزیر اعظم کانفرنس تک وفد واک آؤٹ پر رہا ۔ میں بھی کانفرنس کے دوران اپنی نشست کو چھوڑ کر کوریڈور میں آگیا ، جہاں مخالف سمت سے پاکستان کے جنرل محمد ضیاء الحق شہید مع وزیر خارجہ کے آرہے تھے ، ان کے پیچھے بھارتی وفد آرہا تھا جو مجھے دیکھ کر مڑ گیا ۔ میری صدر صاحب اور وزیر خارجہ سے ملاقات ہوئی تو وزیر خارجہ بولے خورشید تم کہاں ؟ میں نے فوراً جواب دیا جہاں آپ ہیں صاحبزادہ صاحب بولے اس کا کیا مطلب ؟ میں غصہ میں آگیا کہ یہ کیسی باتیں اور کیوں ؟

آخر پاکستان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کو اس کانفرنس میں اٹھاتے کبھی اس مسئلہ کو زندہ کرتے الٹا مجھ سے یہ سوال کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں ۔ صاحب زادہ صاحب نے کہا کہ خورشید صاحب آپ کو پاکستان کی مشکلات کا احساس نہیں ۔ پاکستان خلیج میں اس وقت کی معذوریت کا احساس بھی ہونا چاہیے ۔ میں نے وزیر خارجہ کو سٹریٹلی مخاطب کر کے کہا کہ

" پاکستان کی تاریخ میں کوئی ایسا وقت بھی آیا جب مشکل یا مصلحت کارفرما نہ تھی ۱۹۶۲ء میں پاکستان کو ایک سنہری موقع ملا جب چین اور بھارت کے درمیان لداخ کے علاقہ میں جھڑپیں ہوئیں تو چین کے وزیر اعظم چو این لائی نے واضح طور پر پاکستان کے صدر سے کہا کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقبوضہ جموں و کشمیر پر قبضہ کر لو ، مگر اس وقت کی قیادت نے امریکہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کوئی قدم نہ اٹھایا ۔ بلاشبہ اس وقت پاکستان افغانوں کے لئے جنگ میں مگن ہے لیکن مقبوضہ کشمیر و جموں کی آزادی تمام مقصد سے بھی بالاتر ہے ۔ بہرحال میں یہاں کوئی اعلان جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا ، صرف مسئلہ کشمیر کو زندہ کرنے کے لئے آیا ہوں تاکہ پوری دنیا کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے آگاہ ہو سکے "

وزیر خارجہ بولے

"خورشید! آپ مسئلہ کشمیر کو خاک زندہ کرنے آئے ہیں، ہمارے لئے مصائب و تکالیف پیدا کرنے آئے ہو" میں نے پھر مخاطب ہو کر کہا کہ

"آپ تو بھاڑے کے ٹٹو ہیں"

جس پر صاحب زادہ صاحب بہت سٹپٹائے ۔ صدر صاحب نے مداخلت کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ میں نے اپنی راولپنڈی کانفرنس کے آغاز سے اختتام تک غیر وابستہ ممالک کے تقریباً تمام وفود سے ملاقات کی اور مسئلہ کشمیر پر بات چیت کی ۔ مقبوضہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں پر لرزہ براندام کر دینے والے مظالم اور بربادیوں پر روشنی ڈالی۔ نیز اس مسئلہ کے علاقائی اور بین الاقوامی پہلوؤں اور اس کے نتائج کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا جہاں تک ہو سکتا تھا۔ میں نے مظلوم کشمیریوں کی آزادی و حریت کے لئے آواز اٹھائی ۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے بتایا کہ حکومت پاکستان امریکہ کے اشارے پر اس کانفرنس کے انعقاد کے دوران یہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح کوئی کشمیری راہنما مقبوضہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی نمائندگی نہ کر سکے ۔ میری کوششوں کا ہماری وزارت خارجہ کو علم ہو چکا تھا لہٰذا ہماری وزارت نے کوشش کر کے دعوت نامہ رکوانے کی کوشش کی مگر وزیر خارجہ اس معاملہ میں ناکام رہے۔

نوٹ: کانفرنس کے خاتمہ پر جب بھارتی وفد یہاں سے واپس بھارت پہنچا تو وزیر اعظم ہند کو اس قدر دکھ اور تشویش تھا کہ انھوں نے ایک انکوائری کمیٹی بنائی جس کے ذمے یہ کام سپرد کیا کہ وہ اس بات کا پتہ چلائے کہ کے ایچ خورشید کیوں کر اور کیسے ہمارے مقبوضہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی صدا برائے آزادی اٹھانے میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے دعوتی کارڈ کس طرح لیا۔ اس موقع پر یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ بھارتی وزیر اعظم نے وزارت خارجہ کے کچھ افسروں کو ملازمت سے خارج کر دیا۔ اور بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے کچھ عہدیداران کو بھی اس بنا پر ملازمت سے نکال دیا کہ وہ آخری وقت تک ہراول میں کے ایچ خورشید کی شمولیت

کے ایچ خورشید مرحوم اور دوسالہ جماعتی کنونشن

ہمارے کانفرنس میں بطور مبصر شمولیت سے قبل کے ایچ خورشید مرحوم نے جولائی ۱۹۸۶ء میں لندن میں منعقدہ بین الاقوامی کشمیری کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس کا انعقاد آزاد جموں وکشمیر پرشین لیگ کی برطانوی شاخ نے کیا۔ اس شاخ نے اپنے کام کا آغاز ۱۹۷۳ء میں کیا تھا۔ جب کے ایچ خورشید مرحوم کی زیر قیادت ایک وفد نے برطانیہ کا دورہ کیا تھا۔ تقریباً گیارہ سال کے ایچ خورشید مرحوم بوجوہ لندن نہ جا سکے۔ ۱۹۸۶ء سے قبل چند ایک ایسے واقعات رونما ہوئے تھے جن سے جموں وکشمیر کے مسلمانوں کے علاوہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے دل تڑپ اٹھے۔ ان میں سے ایک اہم واقعہ ۱۱ر فروری ۱۹۸۴ء کا ہے جب کشمیر کے ایک اور ممتاز راہنما جناب مقبول بٹ کو بھارت کی تہاڑ جیل میں پھانسی دے دی گئی اور جیل کے اندر نامعلوم مقام پر دفن کر دیا گیا۔

اس اہم واقعہ نے لندن اور برطانیہ میں رہنے والے کشمیری مسلمانوں کے دلوں کو تڑپا کر رکھ دیا تھا جناب مقبول بٹ کی پھانسی پر لندن اور امریکہ میں آزاد جموں وکشمیر کی تمام جماعتوں نے مشترکہ لائحہ عمل کے تحت ایک بہت بڑے جلوس کا اہتمام کیا گیا اور یہ جلوس بھارتی سفارت خانہ واقع لندن میں آکر ختم ہوا۔ اس جلوس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو یادداشت بھارت کے سفارت خانہ کو دی گئی۔ بی بی سی نے اسی رات کی نشریات میں اس کارروائی کو سرفہرست رکھ کر نشر کیا اور اس تمام تر کارروائی کو برطانیہ ٹیلی ویژن پر بھی دکھایا گیا۔ جبکہ کے ایچ خورشید بھی مقبول بٹ شہید کی پھانسی

سے ذاتی طور پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ مقبوضہ کشمیر و جموں کی آزادی کے لئے تحریک آزادی کشمیر کو تیز تر کرنے کا فیصلہ کیا لہذا آزاد جموں و کشمیر برٹش لیگ کی برطانیہ شاخ نے بین الاقوامی کشمیر کانفرنس کا انعقاد کیا اور جناب کے ایچ خورشید مرحوم کو لندن آنے کی دعوت دی۔ جس پر کے ایچ خورشید مرحوم لندن روانہ ہوئے۔

جولائی ۱۹۸۶ء میں جناب کے ایچ خورشید مرحوم کا لندن کے انٹرنیشنل ہیتھرو ایئرپورٹ پر اور برمنگھم انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر فقید المثال استقبال کیا گیا۔ جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے برمنگھم، ڈربی، شیفیلڈ، بریڈفورڈ، راچڈیل، بلیک برن، ایکسبرج، گلاسگو میں بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا۔ وہاں پر کشمیریوں اور پاکستانی لوگوں کو ملکی اور بین الاقوامی بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے پیش نظر مسئلہ کشمیر کے حل کی ضرورت پر تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نیز اس بات پر روشنی ڈالی کہ کشمیری اور پاکستانی جو برطانیہ، یورپ اور امریکہ میں آباد ہیں، وہ آزادی کشمیر کے سلسلہ میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

آج کی دنیا میں ذرائع ابلاغ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ امریکہ، یورپ اور برطانیہ میں واقع ہیں۔ ان مقامات پر مقبوضہ جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے جس قدر کوشش ہوگی۔ اس کی آواز پوری دنیا میں سنائی دے گی۔ جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے مزید کہا کہ کسی تحریک کو اجاگر کرنے، نمایاں کرنے اور پھیلانے میں ذرائع ابلاغ کا بڑا ہاتھ ہے۔ پانی کے چشمہ کے قرب و جوار میں رہنے والے چشمہ کے پانی سے اپنی پیاس کو اگر نہ بجھائیں تو اس کو المیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

برطانیہ، یورپ اور امریکہ ذرائع ابلاغ کا چشمہ ہیں۔ کشمیری اور پاکستانی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان چشموں سے سیراب اور فیض یاب ہوں۔ انھوں نے یہ واضح کیا کہ امریکہ، یورپ اور برطانیہ مطلبی یار ہیں۔ صرف اس تحریک کی حمایت کرتے ہیں جس میں ان

کا کچھ نہ کچھ اپنا مفاد ہو مگر بھارتی ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرتے رہنا بہت بڑا جہاد ہے اس دورہ کو کامیاب بنانے میں کشمیری مسلمانوں نے اہم کردار کیا۔ علاوہ ازیں جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان اور متعدد دانشوروں کے میئرز سے بھی ملاقاتیں کیں۔ ان کو مسئلہ کشمیر کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ متعدد پریس کانفرنسوں سے بھی خطاب کیا جس میں بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے وعدوں کے مطابق مقبوضہ جموں وکشمیر میں رائے شماری کرائے۔ نیز کشمیری مسلمانوں پر ظلم وستم کے خاتمہ کے مطالبہ کو دہرایا۔

یہاں جناب کے ایچ خورشید کے سیاسی کردار کی ایک اہم خوبی کا ذکر نہ کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان کے راہنما لندن، امریکہ اور دیگر ممالک میں جا کر پاکستان کی حکومت کے خلاف نہ صرف پراپیگنڈہ کرتے ہیں بلکہ اس حوالہ سے پاکستان کو بھی کوستے رہتے ہیں کئی پلان تیار ہوئے خاص طور پر لندن پلان قابل ذکر ہے جس کے ذریعے ضیاء الحق شہید کی حکومت کا تختہ الٹنا مقصود تھا۔ یہ بات کسی طرح بھی خوش آئند نہیں، پاکستان کی بات پاکستان کے اندر کی جائے۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے کبھی بھی لندن، یورپ اور امریکہ کے راہنماؤں سے حکومت پاکستان کے خلاف نہ تو کبھی شکوہ کیا اور نہ شکایت اور نہ ہی آزاد جموں وکشمیر میں حکمران مخالف جماعت پر تند وتیز الفاظ کی بارش کی۔ وہ اس نقطۂ نظر کے حامی تھے کہ حکومت پاکستان یا آزاد کشمیر کی حکومت کے خلاف اگر کوئی بات کرنی ہے جو بالخصوص مخالفت میں ہو تو اس کے لئے پاکستان کی زمین ہی کافی ہے۔ وہ محب الوطن اور قائداعظم کی تربیت کے تربیت یافتہ تھے۔ ہمیشہ اصولوں کو سربلند رکھا۔ اس پہلو سے وہ ممتاز سیاست دان تھے۔ پاکستان کے ان سیاست دانوں پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے جو بیرون ملک جا کر پاکستان یا پاکستان کی حکومت کے خلاف زہر افشانی کرتے تھے۔

اپنے دورۂ برطانیہ کے دوران جناب کے ایچ خورشید نے آزاد کشمیر کی حکومت پر نہ تو تنقید کی اور نہ ہی پاکستان کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کیا۔ ان میں یہ اخلاقی جرأت تھی کہ وہ تیشہ زمین برسرِ زمین کے مصداق پاکستان میں ہی رہ کر پاکستان کی حکومت پر جرح و تنقید کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بیرونِ ملک جا کر پاکستان کی حکومت کے خلاف بات کرنے اور تختہ الٹنے کے پلان بنانے سے پاکستان کے امیج کو نقصان پہنچتا ہے۔ اسی اصول پر وہ آخری دم تک کاربند رہے اور یہ اصول ہمارے پاکستانی سیاست دانوں کے لئے راہنما اصول ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ ہمارے پاکستانی راہنما اس اصول کی تقلید و پیروی کریں گے۔

؎ پھول کو کہاں تھی طاقت کہ لالہ زار بن جاتا
چرائی ہے رنگت اسی نے میرے دلبر کے گالوں سے

کے ایچ خورشید اور گیارھواں دو سالہ جماعتی کنونشن

ہارے کانفرنس کے بعد جناب کے ایچ خورشید کی توجہ جماعتی تنظیم پر تھی۔ انھوں نے اپنی جماعت کے کنونشن کے انعقاد کا اعلان یکم نومبر ۱۹۸۶ء کو کیا تاکہ جماعت کو مضبوط اور فعال بنایا جائے۔ آزادیٔ کشمیر کے حصول کے واسطے جس تحریک کا آغاز انھوں نے کیا تھا وہ تحریک صرف اس صورت رنگ اختیار کر سکتی تھی جب جماعت کے کارکن منظم اور فعال ہوں۔ تحریک اور کارکنوں کی تنظیم کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کارکن کی تربیت اور اُن کے ذہنوں میں مقاصد ڈالے بغیر اس تحریک کا نشان و منزل دکھائے بِن تحریک ہمہ دوش، تسخیر نہیں بن سکتی۔ تحریک کو جوبن اور رنگ و روپ عطا نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ اس تحریک کے پیچھے منظم افرادی قوت موجود نہ ہو۔ لہٰذا ۱۳ تا ۱۴ نومبر ۱۹۸۶ء کو

پریس کلب راولپنڈی میں جماعت کے دو روزہ کنونشن کا آغاز ہوا۔ اس کنونشن میں راقم بھی مدعو تھا۔ میرے ساتھ میرے دو پسر شفقت رسول اور گوہر رسول اور میرا ڈرائیور جاوید اقبال تھے۔ میں اپنے بیٹوں اور ڈرائیور کے ہمراہ جناب کے ایچ خورشید مرحوم کے پاس گیا۔ علیک سلیک کے بعد میرے دونوں بیٹوں کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ہاتھ ملایا اور پوچھا کہ آپ کس جماعت میں پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ آپ تو ہماری جماعت کے اعزازی رکن ہیں آپ کا مشکور ہوں آپ ہماری دعوت پر یہاں تشریف لائے۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ شکریہ کی کوئی بات نہیں یہ میرا فرض ہے کہ میں اس کنونشن میں شامل ہوتا تا کہ آزادیٔ کشمیر میں میرا بھی ہاتھ ہو۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے کینیڈا، برطانیہ، امریکہ، مقبوضہ جموں وکشمیر، آزاد کشمیر، گلگت، بلتستان اور دیگر وفود سے میرا تعارف کرایا۔ اس وقت وقفہ تھا۔ وقفہ کے بعد کنونشن کی کارروائی کا آغاز ہوا تو ڈائیس پر جناب کے ایچ خورشید تشریف لائے اور مندوبین سے خطاب کیا۔ اپنے خطاب میں انھوں نے کہا کہ تنہا ہمیں آزادیٔ کشمیر کی جنگ لڑنا پڑ رہی ہے حکومت پاکستان ہمارا ساتھ نہیں دے رہی۔ وزیر خارجہ پاکستان امریکہ کا پٹھو ہے اس نے ہر موقع پر آزادیٔ کشمیر کی مخالفت کی ہے کسی بھی بین الاقوامی فورم پر مسئلہ کشمیر کو متعارف نہیں کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا اس مسئلہ سے لاتعلق ہوتی جا رہی ہے۔ آپ کے تعاون سے اس خلا کو پُر کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہا ہوں۔ آپ سے میری التماس ہے کہ آپ اپنی صفوں کو درست کریں۔ نظم و ضبط کو اپنائیں۔ قوت و طاقت سے اس مسئلہ کو تحریک کی صورت میں پیش کریں۔ اب وقت آگیا ہے جب مقبوضہ جموں وکشمیر کے عوام بھارتی سامراج اور بھارتی افواج کی سلاسل پا سے رہائی حاصل کر لیں گے میرا ایمان ہے کہ اب وہ وقت دور نہیں جب مقبوضہ جموں وکشمیر کے مسلمان بھارتی سنگینوں کے

خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کی غلامی کا جوا اپنے گلوں سے اتار پھینکیں گے۔

انھوں نے مزید کہا کہ کشمیر کی آزادی مذاکرات کے ذریعے حاصل نہیں کی جا سکتی اس کے لئے مسلح جدوجہد کا وقت آ چکا ہے۔ بھارت اپنا زیادہ دیر تک اپنا قبضہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ چالیس سالہ مسلمانوں کا جو خون بھارت نے بہایا، خون کے ان لالہ زاروں سے اب وہ لاوا بہہ نکلے گا جس سے بھارتی فوجی قوت جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائے گی، یہی نہیں بلکہ بھارت کے اندر بسنے والی اور قومیں جن میں سکھ شامل ہیں اپنا علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

علاوہ ازیں انھوں نے کہا کہ امریکہ اور برطانیہ اس مسئلے میں پاکستان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ پھر بھی آزادیٔ کشمیر کا سورج طلوع ہو گا۔ انھوں نے حکومت پاکستان کو خبردار کیا کہ وہ کشمیر کی آزادی کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے، ہم سے اپنوں جیسا سلوک کرے۔ ہمیں پتہ ہے کہ آزادی کی یہ جنگ ہم کشمیریوں کو خود ہی لڑنا پڑے گی اور جس کے لئے ہم تیار ہیں تاہم پاکستان کے عوام ہمارے ساتھ ہیں

ان کی باقی ماندہ تقریر کا حصہ حسب ذیل ہے:

"جموں و کشمیر لبریشن لیگ کے صدر مسٹر کے ایچ خورشید نے حکومت پاکستان اور پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو متنبہ کیا ہے کہ اگر انھوں نے کھل کر اہل کشمیر کے حق ارادیت کی حمایت نہ کی اور مصلحتوں کا شکار ہوئے تو خود پاکستان کی وحدت اور سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔" مسٹر خورشید آج یہاں لبریشن لیگ کے دو سالہ کنونشن کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کر رہے تھے

لبریشن لیگ کے صدر نے کہا کہ

"آج کشمیر بنے گا پاکستان' کا نعرہ حکومت کے ایوانوں سے لگایا جا رہا ہے لبریشن لیگ کا سوال یہ ہے کہ کشمیر کس طرح پاکستان بنے گا اور کیا جمہوری

طریقے اور عوامی استصواب کے علاوہ حکومتی جماعت کے ذہن میں کوئی اور طریقہ ہے ؟ یا یہ کہ صرف ایک رٹ لگا کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نعرے کے طور پر اس کو استعمال کیا جائے گا۔ جموں و کشمیر لبریشن لیگ کے صدر نے کہا کہ اصل طریقہ یہ ہے پوری ریاست کو دوبارہ یکجا کیا جائے اور فوجوں کے انخلاء کے بعد لوگوں کی آزادانہ رائے سے ہی کشمیر پاکستان بن سکتا ہے ۔

مسٹر خورشید نے کہا کہ پاکستان کی سیاست اسی سطحی انداز فکر کی وجہ سے انحطاط پذیر ہوئی ہے کیونکہ پاکستانی سیاست دانوں نے عوام کو جذباتی نعروں کا الجھا کر بنیادی مسائل میں ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے سے محروم رکھا اور ایک سیاسی خلا پیدا ہوا جس کا استفادہ یعنی جاہ پسند فوجیوں نے اٹھایا اور اس طرح اصل مسائل اوجھل ہوتے رہے ہیں۔ اسی قماش کے طالع آزما کشمیر کو بھی سطحی نعرہ بازی کا شکار کر کے اصل مسئلہ سے عوام و خواص کی نظریں دور کرنا چاہتے ہیں ۔ مسٹر خورشید نے کہا کہ پاکستان ہی جمہوری نظام کا قیام نہ صرف پاکستان کے مستحکم مستقبل کا ضامن ہو سکتا ہے بلکہ تحریک آزادی کی تقویت کا بھی باعث بن سکتا ہے

لبریشن لیگ کے صدر نے کہا کہ جموں و کشمیر لبریشن لیگ نے پاکستان ہی کو جمہوریت پسند اور عوامی تحریکوں کا ساتھ دیا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی پاکستان کے ایسے عناصر سے رابطہ قائم رکھے گی جو پاکستان میں سنجیدہ سیاست ایک متحدہ پاکستان ایک جمہوری پاکستان اور ایک ایسے معاشرے کے قیام کے علم بردار ہوں جو انصاف، اخوت ، عدل اور سماجی مساوات پر مبنی معاشرہ کے لئے کوشاں ہو اور پاکستان سے فرسودہ وڈیرا نظام ، جاگیرداری اور دیگر رجعت پسندانہ رسومات سے ہے

مسٹر خورشید نے اعلان کیا کہ تحریک پاکستان ہی وہ صرف ایک کارکن ہی نہیں ہے بلکہ تحریک پاکستان کے سربراہ قائد اعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، ناظم الدین، عبدالرب نشتر اور دیگر رہنماؤں کے قریب رہے ہیں اور ان کی پوری کوشش ہے کہ تحریک پاکستان کو اس کی اصل روح اور رنگ و روپ میں پیش کیا جائے مگر بدقسمتی سے آج پاکستان میں بے شمار نام نہاد پاکستان کے نام لیوا جن کا کہیں وجود نہیں تھا آج پاکستان کو اپنی اغراض کے بھینٹ چڑھا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شہر سے بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں پاکستان کُش کے نعرے لگائے جا رہے ہیں اور پاکستانی اور کشمیری عوام ان کے اضطراب میں مبتلا ہیں۔

جہاں تک آزاد کشمیر کا تعلق ہے مسٹر خورشید نے کہا کہ موجودہ حکومت اپنے بلند و بانگ دعووں میں ناکام ہو چکی ہے اور خزانے کی لوٹ کھسوٹ کے نئے انداز اختیار کئے ہیں اور اپوزیشن کے وہ تمام خدشات درست ثابت ہوئے ہیں جن کا اظہار ہم پہلے سے کر چکے ہیں۔ حال ہی میں میرپور میں جو واقعات ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت نے صرف طاقت کے زور پر اپنی بدعنوان پالیسیوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے بلکہ مزدور طالبعلموں کو استعمال کر کے شہریوں کے لئے خطرات پیدا کئے ہیں۔ اگر حالات مزید بگڑ گئے تو امن عامہ شدید خطرہ میں پڑ جائے گا۔

کشمیری راہنما نے اعلان کیا کہ مسئلہ کو بین الاقوامی سطح پر اٹھانے کے لئے مزید مؤثر اقدامات کئے جائیں گے اور تقاریر وغیرہ کی روشنی میں آئندہ حکمت عملی وضع کی جائے۔ مسٹر کے ایچ خورشید نے اعلان کیا کہ جموں و کشمیر

جنوبی افریقہ کی تحریک آزادی، افریقہ کے خلاف امریکی سازش کی شدید مذمت
کرتے ہوئے تحریک آزادیٔ فلسطین کی بھرپور حمایت کے علاوہ لیبیا کے
خلاف امریکی حکومت کی پالیسیوں کی شدید مذمت کی۔



کویت اسلامی کانفرنس اور کے ایچ خورشید

اس سے قبل یہ لکھا جاچکا ہے کہ جناب کے ایچ خورشید مرحوم کی توجہ کشمیر پر مرکوز تھا۔ اگرچہ حکومت پاکستان کی بھی بنیادی ذمہ داری تھی کہ وہ ہر بین الاقوامی بساط پر مسئلہ کشمیر کو طاق نسیاں سے اتار کر پیش کرتی اور بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموار کرتی مگر اندرونی یا بیرونی گوناگوں مصروفیات اور افغانستان میں روسی مداخلت کے سبب ایسا نہ کرسکے اس واسطے جو بھی جامد پیش کیا جائے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ بالخصوص کشمیر کی جغرافیائی صورت کے پیش نظر نیز کشمیری مسلمان پر بھارتی قہر وغضب کے نقطۂ نظر سے۔

جنوری ۱۹۸۷ء میں کویت میں مسلمان ممالک کی چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں تقریباً تقریباً تمام مسلمان ممالک کے اعلیٰ سطح کے وفود نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں مسئلہ کشمیر کو نظر انداز کردیا گیا۔ نہ کویت کے حکمران نے اس مسئلہ کو عالم اسلام کے مسائل کی فہرست میں شامل کرایا۔ یہ کتنی عجیب اور مایوس کن بات ہے کہ عالم اسلام کی کانفرنس ہو اور یہ کانفرنس مسلمان ملک میں منعقد ہوئی ہو تو پھر مسئلہ کشمیر سے آنکھیں چرانا اس کی دانستہ غفلت وسستی کا مظہر ہے۔

جناب کے ایچ خورشید اس کانفرنس کے انعقاد اور اس کی کارروائی پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مسئلہ کشمیر کو پس پشت ڈال دیا جائے گا۔ جب اس کانفرنس کی کارروائی اپنے اختتام کو پہنچی مشترکہ اعلامیہ جاری کردیا گیا۔

اس اعلامیے میں مسئلہ کشمیر کا سرے سے کوئی ذکر نہ تھا۔ اس حقیقت حال نے جہاں پاکستان کے مسلمانوں کو دکھ اور درد سے ہمکنار کیا وہاں کشمیر کے مسلمانوں کو خاص طور پر غم و غصہ لاحق ہوا۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے اس صورت حال پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہا کہ کویت کے حکمرانوں نے بھارت کی ایماء پر مسئلہ کشمیر کو ایجنڈے میں نہیں رکھا۔ یہ بات بڑی معنی خیز ہے اور یہ الزام بلا تحقیق وجواز نہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی یہ بہت بڑی شکست تھی۔ امریکہ نہ کبھی ہمارا دوست رہا اور نہ رہے گا۔ بھارت پر بھی اعتماد کرنا خودکشی کے مساوی ہے۔ کویت کے حکمران امریکی دامن کا ایک جھنڈا تھے۔ امریکی اشارے پہ چلنے والے تیل کی دولت سے مالا مال اور کھربوں ڈالر امریکہ کے بینکوں میں رکھنے والے کویت کے بادشاہ کو اگر پتہ بھی ہو کہ مسئلہ کشمیر کیا ہے۔ مگر امریکہ چہروں پر شکنیں نمودار ہونے کی بدولت اپنے اسلامی تشخص اور فرض سے ہاتھ صاف کر لیے اور اسی طرح روس اور امریکہ دونوں کے چہیتے اور منظور نظر بھارت کی آواز پر مقبوضہ جموں و کشمیر کی آزادی سے اپنا دامن چھڑا گئے۔

وقت گزر جاتا ہے۔ وقت ہی چہرے بے نقاب کرتا ہے۔ وقت ہی حاکم اور وقت ہی فیصل ہے چنانچہ تقدیر کے لکھنے والے نے کویت کے اس بادشاہ کے مقدر میں ذلت و رسوائی لکھ دی جو امریکہ اور اس جیسی طاقتیں صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتی ہیں اور جب چاہا مہرے کے طور پر استعمال کر لیا۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم نے حکومت پاکستان سے بھی احتجاج کیا کہ امریکی مفاد کی تکمیل کے لئے ہم کو آلۂ کار بنایا۔ بلاشبہ افغانستان سے روسی فوجوں کے اخراج و اخلاص میں ہمارا اپنا مفاد بھی تھا۔ یہ ایک اہم اصول ہے جو خارجہ پالیسی کا محور ہے کہ میز پر گفت و شنید کرتے ہوئے امریکہ پاکستان سے مدد و تعاون کا طلب گار رہے۔

امریکہ کے اس مفاد کی قوت اور گراف کو جانچنا اور دیکھنا ہمارا بھی فرض اولین ہے۔

امریکہ کے مفاد کے مطالبے کے جواب میں ہم بھی اپنے مفاد کا مطالبہ میز پر رکھ دیں کہ جناب آپ کے مفاد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہمارے مفاد و مطالبے کو آپ کی آشیرباد کی اشد ضرورت ہے۔ اگر افغانستان میں امریکی مفاد کے ساتھ مسئلہ کشمیر کو نتھی کیا ہوتا تو آج تاریخ مختلف ہوتی۔ روسی افواج کے انخلاء کے ساتھ ہی امریکہ نے ہم سے ایسی آنکھیں پھیر لیں کہ جیسا کہ ہم ملے بھی نہ تھے۔ امریکہ نے نجیب اللہ، افغانستان کے امیر کے دھڑن تختہ پر کبھی ہم سے اتفاق نہیں کیا بلکہ اپنے مقصد کی تکمیل تو کر لی پاکستان کے مفاد کو بالکل فراموش کر گیا۔ وہ یہ تھا کہ افغانستان سے نجیب اللہ کو ہٹا کر افغان مجاہدین کو کابل کے تخت پر بٹھا دیا جاتا۔ یہ دوسرا مرحلہ ابھی تک کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔

۲۹ دسمبر ۱۹۷۹ء سے مارچ ۱۹۸۸ء تک ہم اس قابل تھے کہ امریکہ کو مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں استعمال کر کے بھارت کی افواج کو مقبوضہ جموں و کشمیر کے علاقہ سے نکال دیتے۔ جناب کے ایچ خورشید مرحوم کو یہ دکھ تھا کہ امریکہ کے مقام کے آقام کے لئے تو ہم حاضر ہیں لیکن اپنے مفاد کو امریکہ سے پورا کرانے میں صفر۔ یہ مرحلہ اور خارجہ پالیسی کے ماہر صاحبزادہ یعقوب علی خاں کی کم عقلی کم بصیرت اور قلت ذہانت کی نذر ہو گیا۔ جناب کے ایچ خورشید کے وزیر خارجہ سے اختلافات کے دیگر اسباب کے علاوہ ایک اسباب یہ بھی تھا کہ وزیر خارجہ کی کاسہ لیسی اور کاسۂ گدائی کا نہ کشکول ٹوٹا اور نہ امریکہ کے مفاد کی زنجیریں ٹوٹیں۔ ہمہ اداست کے مقولہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہمیشہ واشنگٹن کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی اور اپنے قبلہ و کعبہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

جناب کے ایچ خورشید نے گوجرانوالہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے تمام تر ذمہ داری کویت کے حکمران اور پاکستان کے وزیر خارجہ پر ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ صاحبزادہ صاحب امریکہ کا ٹٹو ہے لہٰذا اس کے وزیر خارجہ ہوتے ہوئے مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں کوئی پیش

نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس سے توقع کی جا سکتی ہے کہ عالم اسلام کو اس مسئلہ پہ بریف کر کے ان کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں۔

اپنی پریس کانفرنس میں کے ایچ خورشید مرحوم نے اس بات کا انکشاف کیا کہ کویت کے وزیر خارجہ نے کویت کے امیر سے کہا کہ مسئلہ کشمیر کو ایجنڈا میں شامل نہ کیا جائے جس پر کویت کے امیر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے میری تکلیفوں میں کمی کر دی کیونکہ بھارت کے راجیو گاندھی سے مسلسل ٹیلیگرام مار موصول ہوئے ہیں، امریکہ کے صدر نے بھی ٹیلیفون پر بات کی ہے اور یہ کہا ہے کہ مسئلہ کشمیر کو ایجنڈے میں شامل نہ کیا جائے۔ بنا بریں وہ وزیر خارجہ کے مشکور و ممنون ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ ان صحرائی بدوؤں کو اربوں بلین ڈالروں کے ہوتے ہوئے نہ دنیائے اسلام سے ہمدردی ہے اور نہ ان کے ساتھ ہے۔ ان کی مثال سفید کپڑے پر کالے داغوں کی سی ہے یا ان سانپوں کی سی ہے جنھوں نے دولت کے ارد گرد اپنے پھن کو پھیلا کر قبضہ کر رکھا ہے۔ ان کو رزم کی نہ تربیت ہے اور نہ احساس، یہ بزم کے پہلوان ہیں۔ عیاشی ان کے کردار کی ایک خاص خوبی ہے اور یہ حکمران جلد ہی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

کے ایچ خورشید میری نظر میں

از میر عبدالعزیز

مسٹر کے ایچ خورشید مرحوم سے میرا تعارف زمانہ طالب علمی میں ہوا۔ میں امر سنگھ ڈگری کالج سری نگر میں تھرڈ ایر کا طالب علم تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کا ذکر ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس نے انڈیا چھوڑ دو کی تحریک شروع کی۔ گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈر گرفتار ہوئے اور کالج کے طلباء نے، جن میں اکثریت ہندوؤں کی تھی، ہڑتال کی۔ لیکن مسلم طلباء نے ہڑتال نہیں کی۔ ہمارے پرنسپل ان دنوں محمد دین تاثیر تھے۔ کانگریسیوں نے الزام لگایا کہ ڈاکٹر تاثیر نے ہی مسلم طلبا کو ہڑتال سے دور رہنے کا کہا حالانکہ یہ حقیقت نہ تھی۔ مسلمانانِ کشمیر کانگریس سے بیزار تھے اور قائدِ اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے شیدائی تھے۔ ان دنوں مسلم طلبہ نے مسلم سٹوڈنٹس یونین بنائی تھی۔ اس کا ایک دفتر مہاراج بازار امیر سری نگر میں تھا۔ وہاں ہی خورشید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ خورشید صاحب کالج میں مجھ سے ایک سال آگے تھے لیکن سیاست میں ملوث ہونے کی وجہ سے خورشید صاحب کی پڑھائی متاثر ہو گئی تھی اور اس وقت وہ کالج کو تقریباً چھوڑ چکے تھے۔ اس موقع پر جب کشمیر مسلم سٹوڈنٹس یونین کا الیکشن ہوا تو مسٹر احمد اللہ غنا کو صدر، خورشید کو جنرل سیکرٹری اور مجھے سیکرٹری اطلاعات مقرر کیا گیا۔

ہم طلباء تھے اور ہمارے پاس ذرائع نہ تھے لیکن اس کے باوجود ہماری سرگرمیاں جاری تھیں چنانچہ انہی دنوں مسٹر غنان ڈونامی چینی رہنما سری نگر آئے۔ مسلم طلباء نے ان کو سپاسنامہ پیش کیا اس پر شیخ عبداللہ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے ایک جوابی تقریر میں کشمیری میں کہا کہ "مکہ نوس او سکھ امت" یعنی ان کے پاس ٹیڑھی ناک والا آیا تھا۔ چینیوں کی ناک اندر کو دھنسی ہوتی ہے اور شیخ صاحب نے ایک معزز مہمان کے بارے میں یہ ریمارک جلسہ عام میں دے دیا جب کہ شیخ صاحب کا اپنا ناک بھی ٹیڑھا تھا اور پریم ناتھ بزاز نے اپنے اخبار "ہمدرد" میں انہیں "عبل چانٹہ" ٹیڑھے منہ والا عبداللہ لکھا تھا۔

اس کے بعد ہم نے نواب محمد بہادر خاں (بہادر یار جنگ) کو کشمیر آنے کی دعوت دی کہ وہ مسلم سٹوڈنٹس یونین کے سالانہ اجلاس کا افتتاح کریں۔ نواب صاحب آئے لیکن ہمارے اجلاس سے پہلے ہی ان کو ڈوگرہ حکومت نے ۲۴ گھنٹے کے اندر ملک سے نکال دیا۔ اس پر ہم نے بڑا احتجاج کیا۔

مئی ۱۹۴۴ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کشمیر آنا تھا۔ ان کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مسٹر خورشید، راقم السطور اور پیرزادہ محمد طیب شاہ نے ایک تانگہ کرایہ پر لیا۔ پورے دن کا تانگہ ۴۔۵ روپے بھی بہت تھا اور باری باری اعلان کرتے رہے کہ لوگ قائدِ اعظم کے استقبال کے لئے ڈل گیٹ سری نگر کے مقام پہنچیں۔ اس طرح کے اعلانات کرنے والوں کی نیشنل کانفرنسیوں کے علاقوں میں پٹائی ہوا کرتی تھی لیکن اب کی بار چونکہ نیشنل کانفرنس والے خود بھی قائدِ اعظم کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے اس لئے ہم نے ان کے علاقوں سے تانگہ گزارا اور اعلان کرتے رہے۔ ایک جگہ تانگے کا گھوڑا کچھ ڈھیلا پڑ گیا اور آہستہ چلنے لگا۔ خورشید نے کہا یہ گھوڑا تو کانگریسی معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد قائدِ اعظم سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ذکر چونکہ خورشید کا ہے اس لئے اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ خورشید کا گھر تقریباً اسی جگہ دریا کے دوسرے کنارے تھا جہاں قائدِ اعظم ہاؤس بوٹ میں ٹھہرے تھے۔ خورشید صاحب قائدِ اعظم سے بہت ملتے رہے۔ آخر ایک دن مجھے کہا کہ بھئی کل مسلم سٹوڈنٹس یونین کے وفد کی ملاقات قائدِ اعظم سے مقرر ہے۔ آپ بات چیت شروع کرنا۔ میں نے پوچھا کہ آپ۔ اس پر خورشید نے کہا کہ

میں قائداعظم کو سٹوڈنٹس لیڈر کی حیثیت سے نہیں علاوہ ازیں بحیثیت سیکرٹری بنا کر ساتھ لے جا رہے ہیں - چنانچہ ہم ممبروں کے وفد نے مسلم سٹوڈنٹس یونین کی طرف سے قائداعظم سے ملاقات کی - اس میں خورشید صاحب بھی تھے اور جب قائداعظم چلے گئے کچھ دن بعد خورشید صاحب بھی انڈیا روانہ ہو گئے اور پھر ۱۹۴۷ء میں اس وقت واپس آئے جب پاکستان بن چکا تھا

اس تین سالہ دور میں میری خورشید صاحب کے ساتھ خط و کتابت رہی - میں ان کو کشمیر کے حالات سے باخبر کرتا رہا اور وہ اپنے اور قائداعظم کے خیالات خط کی صورت میں لکھا کرتے تھے ۱۹۴۷ء کا انقلاب آیا - خورشید صاحب کشمیر میں قید ہو گئے - میں ہجرت کر کے پاکستان آیا اور ان سے پھر اس وقت ملاقات ہوئی جب یہ مرزا عزیز بیگ کو ساتھ لے کر لاہور میں ہفت روزہ "گارڈین" کے ایڈیٹر بنے - میں اس وقت آزاد کشمیر حکومت کا پبلسٹی آفیسر تھا -

خورشید صاحب بھی کچھ عرصہ کراچی میں پبلسٹی آفیسر رہے - اس سے قبل وہ انگلینڈ سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آئے تھے - ۱۹۵۰ء میں انھوں نے چوہدری عباس مرحوم کی تحریک کے آئی ایم میں جیل بھی کاٹی - اس کے بعد ۱۹۵۹ء میں آزاد کشمیر کے صدر مقرر کر دیئے گئے - خورشید صاحب نے آزاد کشمیر میں پہلا الیکشن کرایا - صدر اور آزاد کشمیر کونسل کونسل کو ۲۴۰۰ کے الیکٹورل کالج نے منتخب کیا - مہاجرین جموں و کشمیر مقیم پاکستان کو پہلی بار آزاد کشمیر میں ووٹ کا حق دلایا - بلکہ حق تو یہ ہے کہ آزاد کشمیر کے لوگوں کو بھی اسی دور میں پہلی بار ووٹ کا حق ملا -

اسی دوران خورشید صاحب نے یہ نظریہ پیش کیا کہ آزاد کشمیر حکومت کو پاکستان اور دوسرے ممالک تسلیم کریں اور کشمیر کی آزادی کے لئے ساری کارروائی اس حکومت کے ذریعے کی جائے - ابتدا میں ایوب خان مرحوم کی حکومت نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا لیکن مسٹر منظور قادر کے جاتے ہی اس نظریہ کی حوصلہ شکنی کی جاتی رہی - خورشید صاحب کو سبکدوش کیا گیا لیکن

انھوں نے تاحیات اسی نظریہ کی حمایت ترک نہ کی۔

۱۹۶۲ء میں انھوں نے صدارتی الیکشن اسی نعرے پر جیتا تھا لیکن آہستہ آہستہ پاکستان اور کشمیری عوام میں اس نظریہ کی حمایت کم ہوتی گئی اور اس کو شک کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ ۱۹۸۵ء کے الیکشن میں خورشید صاحب آزاد کشمیر اسمبلی میں لیڈر آف دی اپوزیشن بن گئے۔ اس حیثیت میں انھوں نے انگلستان میں ایک کشمیر کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کے بعد ہرارے میں غیر جانبدار ممالک کی سربراہ کانفرنس میں بطور سفیر گئے اور وہاں بھی کشمیر کی آزادی کے لئے آواز اٹھائی۔

قائداعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کی وجہ سے ان کے پاکستان کے پرانے لیڈروں سے گہرے روابط تھے۔ میں ان کو کہتا رہا کہ آپ پاکستان کی سیاست میں براہ راست حصہ لیں لیکن انھوں نے کبھی نہیں کیا۔ میں ان کو اصرار کے ساتھ یہ بھی کہتا رہا کہ آپ لکھنے کی طرف بھی توجہ دیں کیونکہ خورشید صاحب بہت خوب صورت انگریزی اور اردو لکھا کرتے تھے۔ یہ بھی انھوں نے نہیں کیا۔

میرے ساتھ ان کے برادرانہ، دوستانہ اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔ راولپنڈی آتے تو مجھے ضرور فون کرتے۔ اسی طرح میں لاہور جاتا تو ان سے بات چیت اور ملاقات کرتا۔ ۱۹۹۲ء میں میں ان کا الیکشن ایجنٹ تھا۔ میں لاہور ایک سیمینار میں شرکت کے لئے گیا ہم لوگ ویگن میں الحمرا ہال کی طرف جا رہے تھے کہ کسی نے جو ہمارے پیچھے بیٹھے تھے کہا کہ خورشید صاحب کا حادثہ ہوگیا ہے۔ ہم نے پوچھا کون سے خورشید تو انھوں نے کہا کہ آزاد کشمیر کے سابق صدر خورشید اور کہا کہ وہ فوت ہوگئے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ سیدھے کیوری گراؤنڈ خورشید صاحب کے گھر گئے اور وہاں تعزیت کی اور جنازے میں شمولیت کی۔

خورشید صاحب سے بعض باتوں میں میرا اختلاف رہا لیکن اس کے باوجود کشمیر کی آزادی کے لئے ان کی خدمات اور جذبے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آزاد کشمیر کی حکومت کو

افسوس نے آپ گزر گیا۔ اسے وقار نشین اور یہی بات ان کے خلاف بھی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین!

کے ایچ خورشید مرحوم کی یاد میں!

ملک امجد حسین ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ آف پاکستان

ذاتی صفات! کے ایچ مرحوم ایک بلند فطرت اور اعلیٰ سوچ و فکر کے انسان تھے ان کی ذاتی زندگی ہر دنیاوی غرض و آز سے مبرا تھی۔ قائداعظمؒ کا سیکرٹری آزاد کشمیر کا صدر ہونے والے ایسے ہی عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود مالی طور پر کوئی مفاد اس کے قریب بھی نہ گیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے کرایہ کے مکان میں اقامت پذیر رہا۔ مخلص، دیانت دار اور شرافت کا پتلا تھا۔

سیاسی خیالات کشمیر کے بارے میں اس کی رائے بڑی صحیح اور ٹھیک تھی کہ آزاد کشمیر کی حیثیت ایک آزاد خطہ کے طور پر تسلیم کرنی چاہیے حکومت پاکستان کو اس کے معاملات میں ملوث یا دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ایسا طرز عمل بین الاقوامی سطح پر آزاد کشمیر کی حیثیت اور پاکستان کی پوزیشن کے لئے نقصان دہ ہے۔ حالیہ واقعات اس کے نظریہ کی "تائید کر رہے ہیں۔

مرحوم سے زیادہ قرب تقریباً ۱۹۸۳ء کے آخر میں ہوا۔ بلاشبہ ہائی کورٹ بار یا کبھی کبھی میرے اور ان کے دفتر میں گپ بازی ہوجایا کرتی تھی اور میں ان کے موقف متعلقہ کشمیر کا حامی ہوتا تھا لیکن ۱۹۸۴ء میں ہم نے پاکستان "سوسائٹی" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ مرحوم اس کے بنیادی رکن تھے۔ پاکستان سوسائٹی نے ملکی حالات کو مدنظر رکھ کر ایک سیل قائم کیا جس کے اراکین مرحوم کے ایچ خورشید، ڈاکٹر مبشر حسن، محمود مرزا اور راقم تھے۔ اس سیل کا مقصد یہ تھا کہ سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے ملاقات کریں

اور ان کو اس نظریہ پر قائل کریں کہ وہ باہمی تعاون و اشتراک سے ملک میں ایسی سیاست کی بنیادیں قائم کریں جس پر نظام جمہوریت کو مضبوطی سے قائم کیا جائے تاکہ ملک مارشل لا کی لعنت اور آمرانہ طرز حکومت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایر مارشل اصغر خاں، نواب زادہ نصر اللہ صاحب و دیگر رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور اس نظریہ و موقف پر ان کی آمادگی و تائید بھی حاصل کی۔ ان ملاقاتوں میں کے ایچ خورشید مرحوم کا فکر بڑا واضح ہوا کرتا تھا۔

چنانچہ ۱۹۸۶ء یا ۱۹۸۷ء کے لگ بھگ پرل کانٹی نینٹل میں آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ کے ایچ خورشید مرحوم نے گرچہ اپنی تنظیم لبریشن لیگ کی نمائندگی کی اور پاکستان سوسائٹی کا بھی مدعو تھی چنانچہ مرحوم نے پاکستان سوسائٹی کی اس کارکردگی کا خاص طور پر ذکر کیا۔

پاکستان سوسائٹی کے اجلاس میرے غریب خانے پر ہوا کرتے تھے۔ اب بھی وہ قائم ہے۔ اس کے پلیٹ فارم سے جناب ممتاز دولتانہ، ایئر مارشل اصغر خاں، نواب زادہ نصر اللہ خاں، پیپلز پارٹی کی طرف سے یحییٰ بختیار، اخبارات کی طرف سے مجید نظامی، جمیعت العلمائے اسلام کے مولانا فضل الرحمٰن صاحبان و دیگر اکابرین ملکی حالات پر اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔ مرحوم چونکہ اس سوسائٹی کے نامور رکن تھے اس لئے اس کی کارروائی میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔

پاکستان سوسائٹی نے مرحوم کو "کشمیر کاز" کے سلسلہ میں مدعو کیا اور انھوں نے کشمیر کی تاریخ کشمیری عوام جد و جہد آزادی و دیگر معاملات پر بھرپور خیالات کا اظہار کیا۔ کشمیر کی موجودہ سیاسی زندگی میں ان کا کردار واضح ہے۔ وہ بوقتِ وفات اپوزیشن کے رہنما تھے۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ان کے حادثہ سے کچھ عرصہ پہلے ہی راقم نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ہر ہفتہ آزاد کشمیر سے لاہور آنے کی بجائے راولپنڈی میں مستقل رہائش اختیار کر لیں تاکہ سفر کی طوالت کم ہو جائے۔ مرحوم نے جواب تو دے دیا۔

ہنس پڑے۔ سچ جانیئے ان کی وفات سے میرا ایک نہایت ہی سمجھ دار، بالغ نظر اور سیاسی معاملات میں صاف اور بلند رائے رکھنے والا انسان جدا ہو گیا اور پاکستان سوسائٹی ان کے قیمتی مشوروں اور قابلِ فخر رفاقت سے محروم ہو گئی۔

امید ہے یہ سطور آپ کی کتاب کے لئے کافی ہوں گی اور چہ میرا اور ان کا واسطہ بھی محدود تھا لیکن بہت قریبی۔

کے ایچ خورشید مرحوم خدمات اور مشن

(۳ / جنوری ۱۹۲۴ء
تا
۱۱ / مارچ ۱۹۸۸ء)

از : جسٹس (ریٹائرڈ) محمد اکرم خان

خوش شکل، خوش گفتار و خوش لباس، بلند پایہ مقرر، عظیم کشمیری اور پاکستانی قائد خوش مقال و خوش خصال، پاک دل و پاک باز، جرأت مند، دلیر اور مخلص رہنما، بابائے قوم قائداعظم کا معتمد ذاتی سیکرٹری، اقبال کا مردِ مومن اور درویش صفت انسان۔ عظیم محب وطن جس کی ساری زندگی تحریک پاکستان اور تحریک آزادی کشمیر کے لئے وقف رہی، بے لوث و بے غرض سیاسی شخصیت جس نے باوقار زندگی گزاری جو کرائے کے مکان میں رہا اور ذاتی مکان، جائیداد اور بنک بیلنس کے چکر میں کبھی نہ پڑا۔ ایسا حریت پسند جو آزادی اور جمہوریت کے لئے زندگی کے آخری لمحات تک مصروفِ جہاد رہا۔ عظیم کشمیری مفکر جس نے ایک انقلابی پروگرام اپنی لبریشن لیگ کے ذریعہ دیا، سُلجھا ہوا پارلیمنٹیرین جو اپوزیشن کے لیڈر کی حیثیت سے بھی قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا، سری پرتاپ نگر اور امر سنگھ ڈگری کالج سرینگر میں میرا ساتھی، دوست اور لیڈر، بے باک صحافی اور شریف سیاست دان جس کو یاد کر کے آنسو بے اختیار گرنے لگتے ہیں، یہ تھا میرا پیارا خورشید، جو خوشی درخشید لیکن ۱۱ / مارچ ۱۹۸۸ء کی ایک بھیانک رات کو غروب ہو کر ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔

کے ایچ خورشید کو وفات پائے ہوئے تقریباً دو سال گزر چکے ہیں، لیکن اس کے سیاسی خیالات اور آزادیٔ کشمیر کے لئے واضح پروگرام آج کچھ زیادہ ہی جاذب نظر

درست اور صحیح معلوم ہو رہا ہے جب کہ کشمیری محب وطنوں نے اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے بھارتی سامراجی فوج کو للکارنا شروع کر دیا ہے اور کوئی دن خالی نہیں جاتا جب کشمیری نوجوان اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے بھارتی جابروں کی گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں اور ان کا جب گرم گرم خون کشمیر کی دھرتی پر گرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مظلوم کشمیری خون کے سمندر سے گزر کر آزادی کو حاصل کرنے کے فیصلہ کن مرحلے پر کھڑے ہو چکے ہیں۔

کے ایچ خورشید نے کشمیری نوجوانوں کو یہی پیغام دیا تھا کہ آزادی ہر قوم کا پیدائشی حق ہے اور خیرات نہیں۔ اس کے حصول کے لئے آزاد کشمیر کے بیس کیمپ سے ایک زبردست سیاسی اور عسکری تحریک شروع ہونی چاہیے جو دوست ممالک سے ہتھیار لے کر جہاد کے ذریعے بھارتی غاصبوں سے اپنی آزادی کو چھین لے۔ آج جب کہ تیس ۳۰ کے قریب چھوٹی چھوٹی عسکری تنظیمیں مقبوضہ کشمیر میں سرگرم عمل ہیں اور ان کو بھارتی سینا کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لئے اسلحہ نہیں مل رہا ہے خورشید مرحوم کے پروگرام کی افادیت کچھ زیادہ ہی ظاہر ہو رہی ہے۔

خورشید مرحوم کا پروگرام یہ تھا کہ حکومت آزاد کشمیر یہ عسکری کردار ادا کرے کیونکہ یہ چھوٹی چھوٹی تنظیمیں بھارت کی دس بارہ ڈویژن فوج کو (جواب نو ڈویژن سے بہت بڑھ چکی ہے) باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اصل معاملہ بیرونی ممالک سے اسلحہ کا حصول ہے۔ پاکستان کشمیری مجاہدین کو اسلحہ اس لئے دینے سے قاصر ہے کہ بھارت غلط قسم کے الزامات لگا کر پاکستان پر حملہ کر دیتا ہے۔

جناب کے ایچ خورشید نے بذات خود تحریک پاکستان کے لئے کام کیا تھا۔ قیام پاکستان کے لئے حضرت قائداعظم کے ساتھ اُن کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا تھا۔ پھر جب پاکستان اللہ تعالے کے فضل وکرم سے ہندوؤں کی نمائندہ

جماعت کانگرس اور انگریزوں کے گٹھ جوڑ اور مخالفت کے باوجود قائم ہو گیا تو پاکستان کے اولین گورنر جنرل کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا تھا۔

وہ پاکستان کے بھی سپاہی تھے اور چاہتے تھے کہ بھارت پاکستان پر حملہ بھی نہ کرے اور کشمیریوں کی جنگ بھی جاری رہے۔ اس مشکل صورتِ حال کا حل انھوں نے کافی غور و خوض کے بعد یہ نکالا کہ پاکستان اور دوست ممالک حکومتِ آزاد کشمیر کو تسلیم کریں اور پھر اسلحہ دیں۔ اُن کی دلیل یہ تھی کہ اگر لندن کے ہوٹلوں میں قائم شدہ عبوری حکومتوں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے تو پھر آزاد کشمیر کی حکومت کو کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا؟

اگر فلسطین کی تنظیم آزادی (PLO) کو تسلیم کیا جا سکتا ہے تو آزاد کشمیر حکومت کو تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہے جب کہ آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان کا ۳۲ ہزار مربع میل علاقہ ہمارے پاس موجود ہے۔ یاد رہے کہ آزاد کشمیر کا رقبہ تقریباً چار ہزار مربع میل ہے جب کہ گلگت بلتستان کا ۲۸ ہزار مربع میل علاقہ آزاد ہے۔ کے ایچ خورشید کی دلیل یہ تھی کہ کشمیریوں کو باقاعدہ عسکری محاذ ترتیب دینا چاہیے اور حکومتِ آزاد کشمیر کی سرکردگی میں جہاد شروع کرنا چاہیے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمیں دوست ممالک سے ہوائی جہاز تک مل سکتے ہیں۔

میں یہاں جناب کے ایچ خورشید کی ایک اپنی تحریر، جو ۲۸ اپریل ۱۹۸۲ء کو ہفت روزہ "قائد" میں بھی شائع ہوئی ہے، کا حوالہ دینا چاہوں گا:

"میں نے بارہا اس امر کی وضاحت کی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ایک ہمہ گیر اور پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہے۔ اس کی بنیاد آزادی اور حقِ خود ارادیت پر ہے۔ ہم کسی ایسے حل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے جو کہ حقِ خود ارادیت کے منافی یا متصادم ہو......

عالمی رائے عامہ کو ایک محکوم اور سامراج کی شکار قوم سے ہمدردی ضرور ہو سکتی ہے لیکن اسے دو آزاد حکومتوں کے سرحدی تنازعہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی .....

یہ درست ہے کہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ہمیں قوت کا بھی استعمال کرنا پڑے گا لیکن تمام لڑائیاں تمام جنگیں اور تمام آزادی کی تحریکیں جب اختتام پذیر ہوتی ہیں تو بالآخر مسئلہ ٹیبل پر ہی طے ہوتا ہے اور اس وقت جس فریق کی آئینی یا قانونی پوزیشن کمزور ہو، خسارے میں رہتا ہے.. عسکری طور پر ہندوستان کو تب ہی مجبور کیا جا سکتا ہے جب کہ ریاست کے اندر مجاہدین کی سرگرمیاں اس کے لئے وبال جان بن جائیں وہ تب ہی ممکن ہے جب کہ باہر سے متواتر ہتھیار اور ساز و سامان آ سکے اور آزاد کشمیر کی فوج بھی اپنا مشن جاری رکھ سکے۔ یہی وہ صورت ہے جس سے ہندوستان کو ریاست کے اندر لڑنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے...

..... اگر آزاد حکومت کا عسکری نظام درست ہو اور آزاد حکومت صحیح معنوں میں نمائندہ حکومت ہو تو پھر اس قسم کی تنظیموں (البرق، الفتح، المجاہد وغیرہ) کی کوئی ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی تنظیمیں مخلص بھی ہوں مگر اپنے محدود وسائل اور محدود ذرائع کی بنا پر فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہونے کا احتمال ہے۔

ان تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ ہماری قطعی رائے ہے کہ اگر آزاد حکومت کو پوری طرح سے ریاست کی آئینی اور با اختیار حکومت تسلیم نہ کیا جائے تو کوئی ٹھوس اور معنی خیز قدم تحریک آزادی کی طرف نہیں اٹھایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم کانفرنس کی کوشش یہی ہے

حکومت پاکستان اس حکومت کو پوری ریاست کی آئینی اور بااختیار حکومت
تسلیم کرے ..... "

میں نے مسٹر کے ایچ خورشید کے مضمون کے صرف جستہ جستہ حصے درج کئے ہیں تاکہ قارئین کرام پر واضح ہو سکے کہ مسٹر کے ایچ خورشید کیوں آزاد حکومت کو تسلیم کرنے کی بات کرتے تھے۔ آج ان کی وفات کے دو سال بعد سردار محمد ابراہیم خان صاحب بھی یہی بات کرتے ہیں اور سردار عبدالقیوم صاحب بھی نجی محفلوں میں (جب وہ اقتدار سے علیحدہ ہوتے ہیں) یہی بات کرتے ہیں البتہ بُرا ہو سیاسی اختلافات کا کہ بعض لوگ آزاد حکومت کو تسلیم کرانے کے ڈانڈے خود مختار کشمیر کے ساتھ ملا کر اپنی سیاست کا اُلّو سیدھا کرتے ہیں جب کہ کے ایچ خورشید تحریک آزادئ کشمیر کا قبلہ درست کرنے کی بات کرتے تھے۔

آج ۲۲ کے قریب چھوٹی بڑی تنظیمیں مقبوضہ کشمیر میں سرگرم عمل ہیں۔ روزانہ کشمیری شہید کئے جا رہے ہیں، ہم آزاد کشمیر والے کیا کر رہے ہیں؟ ہم کیسے کشمیری مجاہدین کی مدد کر سکتے ہیں؟ یہ ہے وہ سوال جو بہت ہی اہم ہے اور اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر بحیثیت نمائندہ حکومت جہاد میں بھرپور حصہ لے اور پاکستان کو ملوث کئے بغیر جہاد کرے۔

پاکستان کو ملوث نہ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ یہی جواب ہے کہ کشمیری خود ہتھیار بیرونی

ممالک سے حاصل کریں اور جہاد کے ذریعے بھارت کو مجبور کریں کہ وہ ٹیبل پر بیٹھ کر تصفیہ کرے۔ بیرونی ممالک اس وقت تک ہرگز ہتھیار نہیں دیں گے جب تک آزاد حکومت یا انقلابی کونسل آزاد جموں و کشمیر کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر ہم نے مسئلہ کشمیر کو پاک بھارت تنازعہ سمجھا تو پھر ٹیبل پر یہی بات ہوگی کہ سیز فائر لائن کو کہاں سے سیدھا کرنا ہے اور کہاں سے ٹیڑھا کرنا ہے۔ یہ راستہ تقسیم کشمیر کی طرف جاتا ہے اور کے ایچ خورشید یہی کہتے تھے

کہ ریاست جموں و کشمیر کوئی مالِ غنیمت نہیں ہے کہ اسے دو ملک بیٹھ کر آپس میں تقسیم کر لیں۔ یہ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ انسانوں کے حقِ خود ارادیت کا مسئلہ ہے۔ علاقائی تنازعہ نہیں ہے کے ایچ خورشید کے موقف کو تو کشمیر کی ساری بڑی سیاسی پارٹیوں حتیٰ کہ مسلم کانفرنس نے بھی تسلیم کر لیا تھا لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے بعض برگزیدہ لیڈر درون خانہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مقبوضہ کشمیر آزاد ہو گیا تو اس بڑے سمندر میں ان کو کون پوچھے گا۔ ان کو صدارت کیسے ملے گی؟ ان کو وزیرِ اعظم کون بنائے گا؟ یہ لیڈر صاحبان "تحریک اکتفائے آزاد کشمیر" کے حامی ہیں اور نجی محفلوں میں صاف کہتے ہیں کہ آزاد کشمیر ہی کافی ہے۔

"**مشترکہ اعلامیہ**" جو ۵ اگست ۱۹۶۸ء کو تین بڑی سیاسی جماعتوں مسلم کانفرنس، آزاد مسلم کانفرنس اور لبریشن لیگ نے جاری کیا اس کی عبارت یوں ہے:۔

"ہم تین سیاسی جماعتوں مسلم کانفرنس، آزاد مسلم کانفرنس اور لبریشن لیگ کے صدروں نے راولپنڈی میں ملاقاتیں کیں اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی اور مشارکہ سے اس طرف کی تمام سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لیا ہے ہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ہم ریاست میں تحریکِ آزادی کو مضبوط کرنے اور حکومتِ پاکستان کا جس نے ریاستی عوام کے لئے حقِ خود اختیاری حاصل کرنے کے لئے بڑی کوششیں کیں، ہاتھ بٹانے کے لئے ایک پروگرام پر عمل کریں۔ یہ پروگرام مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی ہو گا: جس پر ہماری پارٹیوں کے درمیان اتفاقِ رائے ہے

(ا) یہ کہ ریاست جموں و کشمیر ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اور کشمیر کے مستقبل کے بارے میں کوئی بھی حل قابلِ غور نہ ہو گا، جو اس بنیادی حقیقت کے خلاف ہو۔

(ب) یہ کہ انصاف کے تمام اصولوں کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کی سرداری عوام کا حق ہے اور وہی اس کے مستقبل کے بارے میں کوئی سسٹم یا طریقہ عمل اختیار کر سکتے ہیں۔ ہم ریاستی عوام کوئی ایسا فیصلہ قبول نہیں کریں گے جو ہم پر اوپر سے ٹھونسا جائے۔ قابل عمل حل صرف وہی ہوگا جو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق عوام آزادانہ طور پر ظاہر کریں۔

(ج) (۱) لوگوں کی رائے کے آزادانہ اظہار تک آزاد حکومت جموں و کشمیر جو لوگوں کی قربانیوں کے نتیجہ کے طور پر قائم کی گئی تھی اس کی اس طرح تشکیل نو کی جائے کہ وہ ریاست کے تمام عناصر کی نمائندہ ہو اور اس کے ساتھ مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کی جانشین اور سارى ریاست کے لئے مکمل خود مختار حکومت کا حامل کیا جائے۔

(۲) آزاد حکومت کی تشکیل نو کے سلسلے میں کم سے کم ضرورت یہ ہے کہ فی الحال پاکستان کی طرز پر بنیادی جمہوریتوں کے ذریعے ایک ذمہ دار اور منتخب حکومت قائم کی جائے جس سے آزاد حکومت کا نظریاتی کردار قائم رہ سکے۔

(۳) ایسی حکومت ایک منتخب صدر کے علاوہ ایک مکمل نمائندہ ادارہ پر مشتمل ہو جس کو قانون سازی اور بجٹ سازی کے اختیارات حاصل ہوں۔

(۴) یہ کہ اگر شیخ محمد عبداللہ، مولوی فاروق اور دوسرے لوگ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی تسلط سے آزاد کرانے اور حق خود اختیاری کے لئے کوئی تحریک جاری کریں تو حد شمارک سے اس طرف کی پارٹیاں ان کی مکمل حمایت کرنے کی کوشش کریں گی۔"

اس پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے کے ایچ خورشید نے کہا تھا کہ سلامتی کونسل میں

پاکستان کے نمائندے پرنس علی خان نے کہا تھا کہ اگر کشمیری خود مختار بھی رہنا چاہیں تو ہم ان کی مخالفت نہیں کریں گے۔

مندرجہ بالا مشترکہ اعلامیہ پر مسلم کانفرنس کی طرف سے ہمارے موجودہ صدر حکومت سردار محمد عبدالقیوم خاں نے دستخط کئے تھے اور بلا جبر و تحریص و تخویف اس اعلامیے کی حمایت کی تھی۔ اُن کا اب فرض بنتا ہے کہ وہ اس پروگرام کو آگے بڑھائیں کیونکہ اس وقت مقبوضہ کشمیر میں لبریشن فرنٹ KLF، اللہ ٹائیگرز، جماعت اسلامی، الخمینی وغیرہ قسم کی ۲۳ تنظیموں نے اپنے طور پر مقبوضہ کشمیر میں حق خود اختیاری کے لئے تحریک شروع کر دی ہے۔ لہٰذا مشترکہ اعلامیے کی شق نمبر ۴ کے تحت آزاد کشمیر کی تمام پارٹیاں ان کی مکمل حمایت کرنے کی پابند ہیں۔ یہ حمایت زبانی کلامی نہیں ہونی چاہیے "دامے درمے سخنے" اور عسکری قوت سے ہونی چاہیے۔ اگر "المجاہد" کا کہیں وجود ہے تو اس کا درود مسعود بھی مقبوضہ کشمیر میں ہونا چاہیے ورنہ ان مجاہدین آزادی کو کم از کم چھوٹا اسلحہ تو حاصل کر کے فراہم کرنا چاہیے۔ آج کل کے زمانے میں بلیک مارکیٹ میں اسلحہ مل جاتا ہے ہم کشمیری پاکستان کو ملوث کئے بغیر اسلحہ افغانوں سے بھی حاصل کر سکتے ہیں اور روس والے اسلحہ بھی دے سکتے ہیں۔ حال ہی میں سردار محمد عبدالقیوم خاں صاحب، جو چوتھی بار آزاد حکومت جموں و کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے لہٰذا انہیں چاہیئے کہ وہ تحریک آزادی کے لئے ٹھوس کام کریں۔ موجودہ حکومت آزاد کشمیر کو پاکستان سے تسلیم کروائیں یا آزاد کشمیر میں موجودہ حکومت کو توڑ کر ایک "انقلابی کونسل" کی تشکیل کریں جس میں تمام مکاتب فکر کے سیاسی لیڈروں اور مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے خلاف کارروائیاں کرنے والے گروپوں کی نمائندگی ہو۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جموں و کشمیر کی اس انقلابی کونسل کو پاکستان تسلیم کرے اور پھر چند دوست ممالک بھی اسے تسلیم کر کے اسلحہ فراہم کریں۔ بھارت کا سابقہ ریکارڈ

- ظاہر کرتا ہے کہ جب کبھی مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی لہر اٹھتی ہے تو وہ مذاکرات کی بات کرتا ہے - پھر مذاکرات کی میز پر دفع الوقتی سے کام لیتے ہوئے بالآخر بات چیت کو ختم کر دیتا ہے - بھارت درحقیقت رائے شماری سے انحراف کر چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے طاقت کے زور سے کشمیریوں کو دبانے اور ان کی واضح اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے لئے قتل و غارت اور کشمیریوں کو شہید کرنے کا پلان مرتب کیا ہوا ہے - اگر موجودہ حکومت آزاد کشمیر کا روں، کابینوں اور بجٹ بیلنس کے لامتناہی چکر میں الجھی رہی تو پھر یہ تحریک آزادی سے زبردست غداری ہوگی -

حکومت پاکستان کو بھی اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ مقبوضہ کشمیر کی آزادی، پاکستان کے اپنے دفاع کے لئے بے حد ضروری ہے کیونکہ اگر مقبوضہ کشمیر پر بھارت کی گرفت سخت ہو جاتی ہے تو پاکستان کی شہ رگ بھارت کے ہاتھ میں آ جاتی ہے -

ایک دفعہ میں نے قائد ملت چودھری غلام عباس خان مرحوم سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے پاکستان میں آ کر کون سی کامیابی حاصل کی ؟ فرمانے لگے کہ " میں نے تقسیم کشمیر کو روکے رکھا ہے " - اس وقت میرے ساتھ جناب اقبال بٹ ایڈووکیٹ سیالکوٹ بھی موجود تھے - یہی بات ایک دفعہ خورشید صاحب مرحوم نے بتلائی کہ " میں نے تحریک آزادی کشمیر کو ایک نئی زندگی دی ہے اور اس کی اساس صحیح بنیادوں پر رکھ دی ہے - اب پاکستان اور بھارت کشمیر کو مال غنیمت سمجھ کر تقسیم نہیں کر سکتے "

کشمیریوں کو ان دونوں رہنماؤں کا شکر گزار ہونا چاہیے، ورنہ ایوب خان کے زمانے میں تقسیم کشمیر کے لئے کئی فارمولوں پر گفت و شنید ہوئی تھی -

خورشید مرحوم ۱۹۵۹ء میں صدر حکومت آزاد کشمیر بنے اور ۴ راگست ۱۹۶۴ء تک صدر رہے - جب ان کے مسلم کانفرنس سے اختلافات ہوئے تو انھوں نے ستمبر ۱۹۶۲ء میں لبریشن لیگ بنائی - بحیثیت صدر حکومت آزاد کشمیر انھوں نے جاگیرداری نظام کو آزاد کشمیر

سے ختم کیا اور بہت سے اچھے کام کئے۔ خورشید مرحوم نے ایوب خاں کے مقابلے میں مسز فاطمہ جناح کی بھرپور حمایت کی اور اسی وجہ سے دلائی جیل کے قیدی بنے۔ انھوں نے ایک انٹرویو کے دوران کہا کہ

"میں اس وقت شاید واحد شخص ہوں جو ہندوستان کی جیل میں بھی رہا، پاکستان کی جیلوں میں بھی رہا اور آزاد کشمیر میں بھی قید و بند کی آزمائشوں سے گزرا"

خورشید مرحوم ایک صاف گو آدمی تھے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا،

"میری سب سے بڑی ناکامی یہ رہی ہے کہ میں پاکستان کی حکومت کو آزاد کشمیر میں گلگت اور بلتستان کی شمولیت اور آزاد کشمیر کی حکومت کو مناسب مقام اور تشخص دینے پر مجبور یا رضامند نہ کر سکا"

(آخری انٹرویو از آصف جیلانی)

گلگت و بلتستان کے بارے میں خورشید مرحوم کا موقف واضح طور پر یہ تھا:

انگریزوں کے دور میں گلگت، بلتستان، لداخ، تبت خورد بلکہ چترال بھی ریاست جموں و کشمیر کا حصہ رہا ہے۔ چترال بعد میں الگ ہو گیا مگر باقی علاقہ جات مسلسل ریاست کا حصہ رہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو بھی یہ علاقے ریاست جموں و کشمیر کا حصہ تھے۔ اسی لئے ہماری جماعت لبریشن لیگ کا موقف یہ ہے کہ اس ریاست کے باشندوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنا سراسر ظلم اور انتہائی زیادتی ہے اور سرکار نے یہ اندھی پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ گزشتہ ۴۰ برس سے (اب ۴۳ برس سے) اس علاقے کے لوگوں کو کہیں بھی نمائندگی نہیں دی گئی۔ پاکستان کی ہر حکومت سے میرا یہی جھگڑا رہا کہ ان علاقوں کو نمائندگی سے محروم رکھنے سے

سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پاکستان کی نوکر شاہی نے اس علاقے میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ پاکستانی افسر شاہی وہاں کے عوام کی آرزوؤں اور امنگوں کو کچلنا چاہتی ہے۔ آج بھی کئی لوگ وہاں پر پس زنداں ہیں اور ان علاقوں میں بدترین آمریت قائم ہے ان علاقوں کی ترقیاتی اسکیموں کی رقم کا بیشتر حصہ مفاد پرستوں کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ وہاں کے جنگلات، زمرد، ابرق، ماربل قیمتی پتھروں کی کانوں اور دیگر وسائل پر نوکر شاہی نے اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ چینی قافلوں کا جو سامان یہاں آتا ہے وہ عوام تک نہیں پہنچتا بلکہ سرکاری افسروں کے محلات کی زینت بن جاتا ہے"

۲۶ جنوری ۱۹۷۷ء کے "اخبار جہاں" میں نذیر لغاری نے فورسٹر صاحب کا جو انٹرویو لیا تھا اس میں زیبا بیگ کے شوہر مرزا بیگ کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا :

"ہمارا مسئلہ مسلمہ اصولوں کے مطابق اتنا جاندار ہے کہ بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموار کیا جائے تو ہم کافی حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں، اس کے برعکس حکومت پاکستان بین الاقوامی طور پر اس مسئلے کو اٹھانے کے لئے کچھ نہیں کر رہی۔ چنانچہ جولائی اگست ۱۹۷۷ء میں برطانیہ میں بین الاقوامی کشمیر کانفرنس منعقد ہوئی جہاں اس مسئلہ پر بحث ہوئی اور طے پایا کہ ہم لوگ بین الاقوامی رائے عامہ کو باخبر رکھنے اور منظم رکھنے کے لئے اقدامات کریں۔ اس موقعہ پر مجھے بین الاقوامی کشمیر کانفرنس کا ترجمان مقرر کیا گیا۔ ہم نے برطانیہ میں روابط قائم کئے اور پھر میں نے ذاتی طور پر ہمارے جانے کا پروگرام بنایا۔ مجھے دنیا کی کسی حکومت کی تائید حاصل نہ تھی۔ دنیا

کے کسی ادارے اور حکومت نے مری ایک پائی کی بھی امداد نہیں کی"

خورشید مرحوم نے ہمارے کانفرنس میں مسئلہ کشمیر پر روشنی ڈال کر بھارت کے نمائندے کو خوف زدہ کر دیا اور بھارتی نمائندے نے اس پر زبردست احتجاج بھی کیا۔ ہمارے کانفرنس کے شرکاء کو جو تحریری یادداشت / میمورنڈم خورشید مرحوم نے پیش کیا، وہ مسئلہ کشمیر پر ایک جاندار دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

کے ایچ خورشید کو دو سال ہوئے کہ ہم سے جدا ہیں لیکن ان کی باتیں، تقریریں ہمیشہ ہمارے سامنے ہیں۔ ان کو بہترین طور پر خراج تحسین پیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

(ا) آزاد کشمیر حکومت کو تسلیم کر لیا جائے تاکہ ہمیں باہر سے ہتھیار وغیرہ مل سکیں

(ب) آزاد حکومت / انقلابی کونسل بھارت پر فوجی، سیاسی اور ڈپلومیٹک دباؤ ڈالے تاکہ بھارت اقوام متحدہ کی مسلّم قرارداد کے مطابق رائے شماری کروائے۔

آزاد کشمیر کا موجودہ آئین عبوری آئین ۱۹۷۴ء کہلاتا ہے۔ اس سے قبل سرزمین آزاد کشمیر بے آئین تھی اور رولز آف بزنس کے تحت حکومت وزارت امور کشمیر کے ماتحت کام کرتی تھی۔ حکومت پاکستان جب چاہتی ایک حکومت کو ختم کر کے دوسری لے آتی۔ اب بھی حکومت پاکستان کے اختیارات بہت زیادہ ہیں لیکن یہ جملہ اختیارات اب "کشمیر کونسل" استعمال کرتی ہے تاہم آج کل ایکٹ ۱۹۷۴ء کے تحت آزاد کشمیر کی اپنی منتخب اسمبلی موجود ہے جو اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر قانون سازی کرنے کی مجاز ہے۔ حکومت اس منتخب اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہے لیکن ۱۹۶۸ء میں تو حکومت سازی کے جملہ اختیارات حکومت پاکستان نے سنبھال لئے تھے چنانچہ ۵ر اگست ۱۹۶۸ء کو آزاد کشمیر کی تین بڑی سیاسی جماعتوں نے اتفاق کر لیا تھا اور مشترکہ اعلامیہ جاری کیا، جس کا پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ ۷ر اگست ۱۹۶۸ء کو کاکا جی ہاؤس سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے مشترکہ اعلامیہ کی توثیق کر دی اور ۱۰ر اگست ۱۹۶۸ء کو پریس کلب راولپنڈی میں مسٹر کے ایچ خورشید، سردار محمد ابراہیم

خان اور سردار محمد عبدالقیوم خان نے تقاریر کیں۔ پنڈال تینوں جماعتوں یعنی مسلم کانفرنس، آزاد مسلم کانفرنس اور لبریشن لیگ کے ممبران مجالس عاملہ اور دیگر اہم کارکنوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

مسٹر کے ایچ خورشید صدر لبریشن لیگ نے سب سے پہلے زوردار تقریر کرتے ہوئے کہا کہ (مجاہد اول) سردار محمد عبدالقیوم خان نے اتحاد کی بات چیت کی ابتدا کی اور میں اور سردار محمد ابراہیم خان صاحب شامل ہو گئے۔ ہم ذہنی طور پر اتحاد کے لئے تیار تھے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میری طرف سے یہ اتحاد نہیں ٹوٹے گا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اقتدار اعلیٰ جو ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیری عوام کو منتقل کر دیا گیا تھا کیسے وزارت امور کشمیر کے پاس چلا گیا۔ اس کی وضاحت سردار محمد ابراہیم صاحب ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن جب میں صدر تھا تو میں نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کو تسلیم کر لیا جائے اس سے حکومت پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ ہر لحاظ سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ میں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا ہے اور اس وقت پاکستان کی حمایت کی ہے جب کہ پاکستان کی حمایت کرنا جرم تھا۔

آج حیرت کا مقام ہے کہ کشمیریوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سیکورٹی کونسل میں پاکستان کے نمائندے پرنس علی خان نے کہا تھا کہ اگر کشمیری خود مختار بھی رہنا چاہیں تو ہم ان کی مخالفت نہیں کریں گے۔ پاکستان کے اس نمائندے کی تقریر کے بعد حکومت پاکستان نے اس کی قطعاً کوئی تردید نہیں کی، لیکن جب میں کہتا ہوں کہ حکومت پاکستان ...... ہماری حکومت کو تسلیم کر لیں تو پاکستان کے افسروں کی نازک جبینوں پر شکن نمودار ہو جاتے ہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم میں کئی حکومتیں لندن کے ہوٹلوں میں قائم رہیں لیکن وہ تسلیم شدہ تھیں، باقاعدگی کے ساتھ کام کرتی تھیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آزاد حکومت کو تسلیم کرانے میں حکومت پاکستان کو

کو کیا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

اپنی تقریر کے آخر میں خورشید صاحب نے فرمایا:

"ہم مسئلہ کشمیر کا حل اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق چاہتے ہیں تاوقتیکہ پاکستان، بھارت اور کشمیری کسی دوسرے متبادل حل کو تسلیم کر لیں۔"

۱۱ر فروری ۷۰ ۱۹ء کو راقم الحروف اور مظفرآباد ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے چند اصحاب نے مسٹر کے ایچ خورشید اور شیخ عبدالحق ایڈووکیٹ مرحوم (ہمارے موجودہ جسٹس بشارت احمد شیخ کے والد صاحب) کے درمیان آزاد کشمیر حکومت کے تسلیم کروانے کے بارے میں ایک گفتگو کے اہتمام کا فیصلہ کیا۔ مسٹر کے ایچ خورشید سردار رحمت اللہ مرحوم آف گوجرہ کے والد سردار دوست محمد کی قبر بندی کے موقعے پر مظفرآباد تشریف لائے تھے۔ شیخ عبدالحق ایڈووکیٹ اور خورشید صاحب دونوں اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، لیکن ان کی دلچسپ گفتگو، جسے میں نے قلم بند کیا، یوں ہے:

مسٹر کے ایچ خورشید: ہمارا کوئی درجہ نہیں ہے۔ ہم نے اتحاد ثلاثہ کے پروگرام میں ایک مطالبہ یہ بھی کیا ہے کہ ہمیں وہ درجہ دیا جائے جو ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ کو حاصل تھا۔

محمد اکرم خاں (راقم الحروف): کیا مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو خودمختار رہتی؟

مسٹر کے ایچ خورشید: بالکل خودمختار، کیونکہ پیراماؤنٹسی (Paramountcy) ختم ہو گئی تھی۔ ریاست حیدرآباد کا بھی یہی حال تھا بلکہ ریاست حیدرآباد نے پاکستان، لندن اور دہلی میں اپنے سفیر مقرر کر رکھے تھے جو کہ ایجنٹ جنرل کہلاتے تھے۔ مشتاق احمد خان کراچی میں تھے اور علی یاور جنگ بھی کہیں مقرر تھے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء کو برطانوی حکومت نے ایک اعلان بھی کیا تھا جو اسی بارے میں تھا۔

محمد اکرم خان: تحریک آزادی کشمیر اور تحریک الحاق پاکستان میں کیا فرق ہے؟

خورشید: تحریک آزادی کشمیر اور تحریک الحاق پاکستان میں فرق ہے۔ پہلے آزادی حاصل کیجئے پھر الحاق پاکستان کی بات کیجئے۔ درحقیقت ہم پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ہم نے ہری سنگھ کی حکومت میں الحاق پاکستان کا نعرہ لگایا۔ ہم آگے چل کر بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کر سکتے ہیں

محمد اکرم خان: کیا یہ درست ہے کہ Standstill Agreement (جوں کا توں معاہدہ) کے بعد پاکستان نے دفاع، مواصلات وغیرہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی

خورشید: یہ غلط ہے کہ پاکستان نے کشمیر میں اپنے نمائندے بھیجنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وقت ملٹری کمانڈر مسٹر سکاٹ ہوا کرتے تھے۔ وہ بذاتِ خود پاکستان کے ساتھ الحاق کے حامی تھے لیکن پنڈت رام چند کاک کی وزارت ٹوٹ جانے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ بھارت کے زیر اثر آ گیا تھا۔ پاکستان کی جانب سے کرنل برنی سری نگر گئے تھے۔ خود قائداعظم بھی سرینگر جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے لیکن کشمیر کی حکومت آمادہ نہ تھی۔ پہلے تو حکومت کشمیر نے بہانہ بنایا کہ قائداعظم کی ذات کی حفاظت کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی لیکن بعد میں بالکل ہی منکر ہو گئی۔ ایک کرنل صاحب سری نگر جانا چاہتے لیکن پائلٹ ان کو دریائے جہلم کی بجائے دریائے نیلم کے اوپر سے لے گیا اور راستہ ہی بھول گیا اور کرنل صاحب واپس آ گئے۔

شیخ عبدالحق ایڈووکیٹ: کیا آزاد حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد بھارت کشمیر کو ہڑپ

نہیں کر جائے گا

خورشید: یہ اعتراض غلط ہے۔ تسلیم ہو جانے کے بعد ہم باقی دنیا سے کٹ تو نہیں جائیں گے بلکہ دوسرے ممالک کھلم کھلا ہماری مدد کے لئے آ جائیں گے۔ یہ ایک علاقائی تنازعہ نہیں رہے گا اور بیرونی ممالک کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ کسی بھی ملک کو "علاقائی تنازعے" (Territorial or border dispute) سے دلچسپی نہیں ہے۔ ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ بھارت لاہور پر حملہ کر دے گا، لیکن میرا خیال ہے کہ اگر کشمیری اپنی آزادی کی جنگ مستقل مزاجی سے لڑیں تو جنگ محدود رہے گی اور لاہور پر حملہ نہیں ہو گا۔ ہمیں پاکستان کے ساتھ "باہمی تحفظ کا معاہدہ" "MUTUAL SECURITY Pact" کر لینا چاہیے۔

شیخ عبدالحئی: کیا آزاد کشمیر حکومت کے تسلیم ہو جانے کے بعد فوجی حالات بہتر ہو جائیں گے؟

خورشید: جی ہاں! میں نے اصغر خاں کو کہا تھا کہ صرف چار جہاز دے دو، ہم ان پر PKF کی بجائے AKF لکھیں گے۔ میرا ایمان ہے کہ بھارت کشمیر میں ہرگز نہیں لڑ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے لاہور پر حملہ کر دیا تھا۔ اگر آزاد کشمیر کی تسلیم شدہ حکومت کے بارے میں چین والے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم آزاد کشمیر کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں تو پھر مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ بھارت کبھی حملہ نہیں کرے گا۔

شیخ عبدالحئی: کیا کوئی ایسی مثال موجود ہے کہ اس کے تحت کسی تیسرے ملک نے یا کسی حکومت نے کسی ملک کو تسلیم کیا ہو؟

خورشید: شیخ صاحب! ہم تو بھارت کے ساتھ جنگ کی ہی سی حالت میں ہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ سیز فائر ہوا ہے۔ ہم کو جنگ کی حالت کی بنیاد پر آگے

بڑھنا چاہیے اور دنیا کو بھی پتہ لگ جانا چاہیے ہم آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ امن کی حالت میں تسلیم کرنے کے بارے میں ممکن ہے کہ بعض ممالک سے کوئی مثال مل جائے۔ امریکہ اور چین کی جنگ ہو رہی تھی اور چیانگ کائی شیک کی حکومت کو امریکہ نے تسلیم کیا ہوا تھا۔

شیخ عبدالحئی: منگلا ڈیم میں انتقالات بحق حکومت پاکستان کے تصدیق ہوئے؟

خورشید: غالباً Indus Pact کے تحت۔ بہر حال منگلا ڈیم کے بارے میں میرا موقف یہ تھا کہ حکومت پاکستان اس بارے میں ہمارے ساتھ ایک معاہدہ کرے لیکن حکومت پاکستان نے "ٹال مٹول" سے کام لیا۔ پھر میں نے ایک معاہدہ ڈرافٹ کر کے وزارت امور کشمیر کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ گم ہو گیا ہے۔ میں نے دوسرا ڈرافٹ بھیجا۔ مجھے بتلایا گیا کہ وہ بھی گم ہو گیا ہے۔ میں نے افسر صاحب کو کہا تھا کہ حکومت پاکستان ہمارے ساتھ معاہدہ کرے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس سے حکومت آزاد کشمیر کو تسلیم کرنے کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ آپ حمید خاں سے دریافت کیجئے کہ پاکستان کے حق میں انتقالات کیسے اور کیوں تصدیق ہوئے۔

شیخ عبدالحئی کے ایک سوال کے جواب میں خورشید صاحب نے کہا

ویت نام اور امریکہ آپس میں ویت نام کی سرزمین پر لڑ رہے ہیں لیکن دونوں نے ایک دوسرے پر براہ راست حملہ نہیں کیا۔ اسی طرح سے اگر پاکستان اور ہندوستان دونوں ایک دوسرے کے خلاف سرزمین کشمیر میں لڑیں تو یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک دوسرے پر براہ راست حملہ کریں کیونکہ حکومت آزاد جموں و کشمیر ایک علیحدہ اور مستقل حکومت ہو گی اور بھارت کو بین الاقوامی طور

پر ایسا کوئی حق نہیں پہنچے گا کہ وہ پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں پر حملہ آور ہو۔

شیخ عبدالعزیز ایڈووکیٹ : بعض دوستوں کا خیال ہے کہ اگر حکومت آزاد کشمیر کو تسلیم کر لیا گیا تو وہ حکومتِ پاکستان کے علاوہ چین اور روس سے بھی معاہدے کر سکتی ہے۔ اگر اس طرح چین یہاں داخل ہو گیا تو اس کو آزاد کشمیر سے کون نکالے گا ؟

خورشید : ہم اپنے گھر میں باہر سے کسی بھی طاقت کو نہیں بلائیں گے اور جب بلائیں گے ہی نہیں تو وہ کیسے از خود آئے گا ؟ یہ بیسویں صدی کے آخری عشرے ہیں کوئی ملک دوسرے ملک کی حدود کے اندر داخل نہیں، جب تک وہ متعلقہ ملک اپنی امداد کے لئے دوسرے ملک کو نہ بلائے۔

مسٹر کے ایچ خورشید نے لبریشن لیگ کے کارکنوں کے ایک اجلاس منعقدہ لاہور مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۷۲ء میں روس سے مطالبہ کیا کہ روس بہت جلد کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی حمایت کرے گا کیونکہ یہ دلیل سرے سے غلط ہے کہ پاکستان نے چونکہ امریکہ سے کوئی فوجی معاہدہ کر لیا ہے لہٰذا روس کو کشمیریوں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ کشمیریوں نے پاکستان اور امریکہ کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کروایا۔ میں روسی رہنماؤں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی حمایت میں آگے بڑھیں کیونکہ اگر کشمیر میں امن ہے تو وسطی ایشیا میں بھی امن بحال رہے گا۔ (صفحہ ۱۱)

(The Kashmir Issue & The Indo Pakistan War of December 1971) Pamphlet issued Malik Abdul Majid, Secretary General of the Liberation League - now the C. J of

HIGH COURT)

آج کل مسئلہ کشمیر نے بالکل ایک نئی صورت اختیار کر لی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں کئی ایک تنظیموں نے ہتھیار اٹھا لئے ہیں اور وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں ہیں۔ بھارتی فوج نے مظالم کی انتہا کر دی ہے۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بھی قتل کیا جا رہا ہے۔ عورتوں کی عصمتیں لوٹی جا رہی ہیں اور بھارت کی سامراجی فوج کشمیریوں کی نسل کشی کے علاوہ اُن کی املاک کو بھی نذرِ آتش کر رہی ہے۔ ایسے حالات میں آزاد حکومت کچھ بھی نہیں کر رہی ہے کیونکہ یہ حکومت تسلیم شدہ نہیں ہے۔ اگر تسلیم شدہ حکومت ہوتی تو کئی دوست ممالک سے اسلحہ فراہم کرتے۔

میں تو اب یہ محسوس کر رہا ہوں کہ یہ صورتِ حال بہت ہی نازک ہے۔ اگر کشمیری محب وطنوں کی امداد اس نازک دور میں پاکستان نے نہ کی تو کشمیری عوام پاکستان سے بددل ہو جائیں گے اور کیا پتہ ہے کہ آگے چل کو خود مختار کشمیر کا مطالبہ کریں گے یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا۔ خورشید صاحب نے تو صرف اسی قدر کہا تھا کہ حکومت آزاد کشمیر کو تسلیم کرو تاکہ آزادی کشمیر کے اس بیس کیمپ میں باہر سے ہتھیار مل جائیں۔ اب دنیا بہت آگے نکل گئی ہے۔ خورشید صاحب کے مطالبے پر کسی نے بھی دھیان نہیں دیا اور میں دیانتداری سے یہ سمجھ رہا ہوں کہ پاکستان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے جس کا ازالہ اب اسی صورت میں ممکن ہے کہ حکومت پاکستان یا تو خود ہتھیار حریت پسندوں کو فراہم کرے یا اس آزاد حکومت کو تسلیم کرے اسے موقع دے کہ وہ بیرونی ممالک سے اسلحہ حاصل کرے۔ بھارت کے خلاف جہاد کو جاری رکھیں۔ آج کل بیرونی ممالک اور سمگلروں سے بآسانی اسلحہ مل سکتا ہے۔ اس طرح پاکستان کے خلاف بھارت سے یہ پروپیگنڈا بھی نہیں کر سکے گا کہ پاکستان حریت پسندوں کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے، لیکن کیا حکومتِ پاکستان خورشید مرحوم کے پروگرام پر عمل کرے گی یا اس کے پاس اس مسئلے کا کوئی متبادل حل بھی موجود ہے؟

یہ ہے وہ اہم سوال جس کا جواب ارباب عقل و فقہ اور سیاست دان ہی دے سکتے ہیں
جناب کے ایچ خورشید نوجوانوں کے محبوب قائد تھے۔ میرا بیٹا زاہد اکرم ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اور جب کبھی وہ مظفرآباد آتے اسے ساتھ رکھتے۔ زاہد اکرم خان اب بھی خورشید صاحب کو اکثر یاد کرتا ہے اور ان کے مشن پر زبردست کام کر رہا ہے وہ آج کل "لبریشن ٹائیگرز" کا صدر ہے اور لبریشن لیگ میں خورشید صاحب کے نظریات رکھنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔



کے ایچ خورشید مرحوم اور میں ۱۹۴۰ء میں سری نگر میں پہلی بار ملے۔ جب میں مظفرآباد سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد سری پرتاپ سنگھ کالج (S. P. COLLEGE) میں داخل ہوا۔ ۱۹۴۰ء کا زمانہ بہت اہم ہے کیونکہ اسی سال لاہور میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی۔ ایس پی کالج کے چند طلبہ نے محسوس کیا کہ پاکستان کے حق میں کام کرنا چاہیے کیونکہ اس زمانے میں مسلم کانفرنس موجود نہ تھی بلکہ ۱۹۳۹ء میں نیشنل کانفرنس میں مدغم ہو چکی تھی۔ ہم نوجوانوں میں جناب کے ایچ خورشید نمایاں تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور عباسی اپنے کتابچے "تحریک پاکستان کے سیاسیات کشمیر پر اثرات" طبع اول ۱۹۸۷ء صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں:

"اپریل ۱۹۴۰ء میں کشمیر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری محمد امین شمیم نے جو جناب کے ایچ خورشید کے بڑے بھائی تھے۔ قرارداد لاہور کا خیر مقدم کرتے ہوئے قائد اعظم کو یقین دلایا کہ کشمیری طلبہ اسلامیان ہند کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیں گے اور ان کی ہر ممکن مدد کریں گے"

(روزنامہ انقلاب لاہور، ۱۹ اپریل ۱۹۴۰ء)

پھر آگے صفحہ ۴۶ پر درج ہے:

"صوبہ کشمیر میں جناب کے ایچ خورشید کے علاوہ احمد اللہ رضا، میر عبدالعزیز راجہ محمد اکرم خان، مسٹر احمد شمیم اور جموں میں مسٹر اندر جیلی، محمد خان نقشبندی مسٹر ہدایت اللہ اختر اور جناب عبدالمجید سلہریا نے نوجوانوں کو سرگرم عمل کرنے کے لئے علمی اور فکری محاذ پر بڑا کام کیا۔"

مجھے ذاتی طور پر علم نہیں کہ اپریل ۱۹۴۰ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نام کی کوئی جماعت تھی یا نہیں کیونکہ میں نے ۱۹۴۰ء کی گرمیوں میں سری نگر کے ایس پی کالج میں داخلہ لیا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم نے جو تنظیم اس ضمن میں بنائی اس کا نام مسلم سٹوڈنٹس یونین تھا نہ کہ فیڈریشن۔ اس زمانے میں جموں و کشمیر سٹوڈنٹس فیڈریشن نیشنل کانفرنس کی ذیلی تنظیم تھی لہٰذا ہم لفظ فیڈریشن کے خلاف تھے۔ لہٰذا ہم نے "یونین" کے لفظ کو پسند کیا۔ ہمارے ساتھیوں میں میر عبدالعزیز ایڈیٹر انصاف (راولپنڈی) اور جسٹس (ریٹائرڈ) سردار محمد شریف خان آف راولاکوٹ تاحال زندہ موجود ہیں اور وہ میرے بیان کی تائید کریں گے۔

محمد امین شمیم بھی ہمارے ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ سری نگر میں وفات پا گئے تھے اور مجھے یاد ہے کہ ہم سب ان کے جنازے میں شامل ہوئے اور ان کی تدفین میں حصہ لیا۔ ان کی وفات سے ہمیں کافی نقصان پہنچا لیکن جناب کے ایچ خورشید نے تحریک پاکستان میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ میرے خیال میں ڈاکٹر سرور عباسی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہماری تنظیم "مسلم سٹوڈنٹس یونین" نہ کہ فیڈریشن۔

جناب کے ایچ خورشید نے جب ۱۹۶۲ء میں لبریشن لیگ بنائی تو میں نے ان کی مخالفت کی۔ میں ان دنوں مسلم کانفرنس کا مرکزی عہدے دار (جائنٹ سیکرٹری) تھا، اور جب تک چوہدری غلام عباس خان مرحوم زندہ رہے، مسلم کانفرنس میں ہی رہا، لیکن قائد ملت کی وفات کے بعد جب میرے سردار محمد عبدالقیوم خان سے اختلافات ہو گئے، تو لبریشن لیگ میں شامل ہو گیا اور لبریشن لیگ کا بھی جائنٹ سیکرٹری بن گیا۔ اس تمام عرصہ میں

ہم نے اکٹھے رہ کر سیاست میں کام کیا اور مارشل لاء کی سخت مخالفت کی۔ اپوزیشن میں رہ کر عوام کو منظم کیا۔ پھر جب مارشل لاء طویل تر ہوتا گیا اور سیاست دانوں کے لئے سیاست کو شجرِ ممنوعہ قرار دیا گیا تو میں سیاست چھوڑ کر آزاد کشمیر کا ایڈووکیٹ جنرل بن گیا۔ تقریباً چھ سال ایڈووکیٹ جنرل رہنے کے بعد جب عدالتِ عالیہ کا جج بنا تو جناب کے ایچ خورشید کئی بار میری عدالت میں پیش ہوئے۔ اُن کے دلائل خوبصورت الفاظ میں بڑے مؤثر ہوا کرتے تھے۔ غیر ضروری تفصیلات میں نہیں جاتے تھے۔ تحریر و تقریر کے بادشاہ تھے، مسحور کن شخصیت تھے اور منٹوں میں موہ لیتے تھے

تحریکِ آزادیٔ کشمیر کا سچا سپاہی

" انسان آتے جاتے رہتے ہیں مگر اصول زندہ رہتے ہیں۔ جو لوگ اصولوں کی خاطر جانیں قربان کر دیں وہ ہمیشہ کے لئے امر ہو جاتے ہیں۔ تاریخ کا ایک لانگ مارچ ماؤزے تنگ کی قیادت میں ہوا تھا اور ۲۳ مارچ کو ہمارا لانگ مارچ تاریخ کو ایک نیا رُخ دے گا۔ ہماری قربانیاں آنے والی نسلوں کو آزادی، محبت، مساوات اور انصاف پر مبنی معاشرہ دیں گی۔ جس میں لوگ آزادی، خوشحالی اور پُر امن طور پر رہ سکیں گے۔ آنے والے کوئی بھی حکمران ان پر ظلم و ستم، زیادتی، تشدد یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکے گی اس کے لئے ہم آخری دم تک لڑتے رہیں گے "

لہو کو گرم اور دل کو جلا دینے والے، انسانیت کی سربلندی اور آزادی کی نوید سنانے والے ان الفاظ کا خالق ایک برس سے آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد کی خاک میں چین اور آرام کی نیند سو رہا ہے۔ آج اس کی پہلی برسی ہے۔ آج سے ایک سال قبل ایک حادثے میں ہم سے جدا ہو گیا۔ میرا اشارہ خورشیدِ ملت کے ایچ خورشید کی طرف ہے۔ ان الفاظ کی گونج عوام

کے کانوں تک پہنچنے سے قبل ہی اصولوں کی خاطر جان دے کر خورشید صاحب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے۔

مندرجہ بالا الفاظ خورشید صاحب نے ۱۱ مارچ ۱۹۸۸ء کو میرپور آزاد کشمیر میں اپنے پارٹی کارکنوں سے الوداع کرتے ہوئے کہے۔ یہ ان کی اپنے عقیدت مندوں سے آخری ملاقات تھی۔ انھوں نے دیگر اپوزیشن جماعتوں کے اشتراک سے حکومت وقت کی دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کے خلاف تحریک شروع کر رکھی تھی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو پورے آزاد کشمیر سے مظفرآباد کی طرف لانگ مارچ کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ خورشید صاحب نے کہا تھا کہ

"۲۳ مارچ کا لانگ مارچ تاریخ کو ایک نیا رُخ دے گا"

مگر بقول شاعر:

ان سے پوچھا کہ زندگی کیا ہے
اک دیا رکھ دیا بجھا کے قریب

جناب خورشید صاحب ۲۳ مارچ کو تاریخ کو نیا رُخ تو نہ دے سکے مگر ۱۲ دن قبل اس لانگ مارچ پر چلے گئے جہاں سے واپسی کے امکانات ممکن نہیں۔ تحریک آزادی کے آسمان پر تابندہ خورشید کی مانند چمکنے والے خورشید حسن خورشید گوجرانوالہ کے قریب ۱۱ اور ۱۲ مارچ ۱۹۸۸ء کی درمیانی شب اچانک اور وقت سے پہلے غروب ہو گئے۔

کے ایچ خورشید برصغیر کے ان خوش نصیب فرزندوں میں سے تھے جنھوں نے بیسویں صدی کے اوائل میں جنم لیا۔ جن کا شعور تحریک آزادئ ہند کے پُر آشوب اور سرگرم زمانے میں ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا جوہر اور قائد اعظم محمد علی جناح جیسے جید اور قد آور سیاست دانوں کی معیت میں جوان ہوا۔ ان کی زندگی کا خاصہ حصہ زمانہ نو آبادیات اور استعمار کے خلاف اور انسانوں کے حقوق کی جنگ کرتے ہوئے گزرا۔ تقسیم سے قبل ان کی تقریروں کی گونج سرینگر سے کلکتہ اور بمبئی سے کراچی تک سنی جاتی رہی اور بعد کی زندگی تحریک آزادئ کشمیر کے لئے

وقف کردی۔ متنازعہ شخصیت رہنے کے باوجود ان کا سیاسی قد اتنا بلند تھا کہ ان کے مخالفین بھی ان کی عظمت کے منکر نہ ہو سکے اور سب ہی اس بات کو مان گئے کہ واقعی عصرِ حاضر میں وہ پائے کے دانشور تھے۔

کے ایچ خورشید کے ساتھ کشمیری قوم بے حد پیار و محبت کرتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مردِ مجاہد نے اپنی ۶۴ سالہ زندگی میں ۴۴ سال انسانوں اور خصوصاً کشمیر کے غریب اور متوسط طبقے کی نمائندگی کی اور یہ سارا عرصہ ان کی خوشحالی، آزادی، محبت، مساوات اور انصاف کے حصول کی جدوجہد میں گزرا۔ اس دوران دانستہ یا نادانستہ ان سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہوا جس پر وہ شرمندہ ہوئے ہوں۔ وہ بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز رہے مگر ان کا کل اثاثہ کوٹ کی جیب سے وصول ہونے والے ۳۷ روپے کے علاوہ مظفرآباد میں موجود لاکھوں افراد کی سسکیاں اور کروڑوں افراد کی دعائیں تھیں۔

خورشید صاحب نے اپنی سیاسی زندگی کا بیشتر حصہ آزاد کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد میں گزارا۔ وہ کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کے بین الاقوامی وکیل کی حیثیت سے جانے جاتے تھے اور کشمیر کی یک جہتی کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ کشمیر جو آج چار حصوں میں بٹ چکا تھا اسے متحد ہونا چاہیے۔ انھوں نے اپنی ذات سے اس کا عملی مظاہرہ یوں دکھایا کہ وہ گلگت میں پیدا ہوئے، سری نگر میں تعلیم حاصل کی، مہاجر جموں و کشمیر کے ساتھ پاکستان میں مقیم رہے اور آزاد کشمیر میں دفن ہوئے۔

خورشید صاحب جب ۱۹۲۴ء میں گلگت میں پیدا ہوئے تو ان کے والد مولوی محمد اسلم مقامی ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ بعدازاں مولوی صاحب سری نگر منتقل ہو گئے۔ خورشید صاحب ان کے ہمراہ چلے گئے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم سری پرتاب ہائی سکول سری نگر میں حاصل کی اور مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے امر سنگھ کالج سری نگر میں داخل ہوئے۔ خورشید صاحب بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ کم عمری میں ان کی سیاسی و ادبی سرگرمیاں

ان کے روشن مستقبل کی غمازی کرتی تھیں۔ وہ کالج یونین کے جنرل سیکرٹری اور صدر بھی رہے۔ ان دنوں برصغیر کی آزادی کی تحریک زوروں پر تھی اور قائداعظم محمد علی جناح بلاشرکت غیرے مسلمانوں کے واحد لیڈر کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ خورشید صاحب نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ :

"قائداعظم سے میری پہلی ملاقات نومبر ۴۲ء میں جالندھر میں ہوئی۔ قائداعظم ان دنوں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے سالانہ اجلاس کے افتتاح کے لئے جالندھر تشریف لائے تھے۔ میں ان دنوں کشمیر سٹوڈنٹس یونین کی طرف سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آیا تھا۔ ہماری تنظیم کو اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر پرچم دیا گیا جو قائداعظم نے مجھے اپنے ہاتھوں سے مجھے عطا کیا۔"

کشمیر سٹوڈنٹس یونین پہلی تنظیم تھی جس نے اس وقت کشمیر میں پاکستان کی آواز بلند کی۔ اس تنظیم کا قیام ۱۹۴۰ء میں عمل میں آیا تھا۔ کے ایچ خورشید اس تنظیم کے پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس تنظیم نے خورشید صاحب کی قیادت میں ۱ سالوں میں ہی کشمیر کے اندر پاکستان کی حمایت کے لئے رائے عامہ کو ہموار کیا اور شیخ عبداللہ جیسے بڑے لیڈر کے ایچ خورشید کی سیاسی بصیرت اور تدبر سے خوف زدہ تھے۔ انھوں نے متعدد بار غنڈوں سے ان پر حملہ بھی کرایا۔

مئی ۴۴ء میں قائداعظم کشمیر کی دو بڑی جماعتوں کی دعوت پر کشمیر آئے اور تقریباً ڈھائی ماہ قیام کیا۔ اس دوران قائداعظم نے جناب کے ایچ خورشید کی سیاسی بصیرت کو دیکھتے ہوئے انھیں اپنے ذاتی عملے میں رکھ لیا

جناب کے ایچ خورشید اپنی یادداشتوں میں رقم طراز ہیں کہ :

" قائداعظم یکم جولائی کو ریاستی وزیراعظم کی درخواست پر سرکاری مہمان

کے طور پر اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہو گئے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں عارضی طور پر ان کے سیکرٹری کی خدمات انجام دوں۔ ہم لوگ تحریک پاکستان میں کام کرنا خوش بختی سمجھتے تھے۔ میں نے یکم جولائی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت میری عمر اکیس سال تھی۔ بی اے کا امتحان دے چکا تھا۔"

خورشید صاحب نے قائد اعظم کے سیکرٹری کی حیثیت سے جو پہلا خط لکھا تھا وہ گاندھی کا تھا اور اسی خط کی روشنی میں بمبئی میں گاندھی جناح مذاکرات ہوئے۔ قائد اعظم محمد علی جناح خورشید صاحب کی قابلیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے مولوی محمد اسلم سے باضابطہ درخواست کی کہ خورشید صاحب کو ان کے ذاتی عملہ میں باقاعدگی سے شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔

قائد اعظم کے ایچ خورشید پر بے پناہ اعتماد کرتے تھے۔ یکم جولائی ۱۹۴۴ء سے ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کی شام تک وہ تحریک پاکستان کے فیصلہ کن دور میں قائد اعظم کے ساتھ رہے اور ان کے کاموں میں ہر ممکن معاونت کی۔ برصغیر کی ریاستوں اور صوبوں کے دوران بھی وہ قائد اعظم کے ہمراہ ہوتے تھے۔

۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنماؤں کو مذاکرات کے لئے برطانیہ آنے کی دعوت دی۔ یکم دسمبر کو یہ وفد کراچی سے لندن روانہ ہوا۔ برصغیر کے مستقبل کے لئے برطانوی حکومت سے مذاکرات کی غرض سے لندن جانے کے لئے جو لوگ اس جہاز میں سوار تھے۔ ان میں قائد اعظم، لیاقت علی خان، پنڈت نہرو، سردار بلدیو سنگھ، وائسرائے لارڈ ویول، ممتاز حسین، مسٹر شفاعی، کرنل میکنزی، سر جارج ایبل اور کے ایچ خورشید شامل تھے۔ اس سفر کی داستان کے ایچ خورشید یوں بیان کرتے ہیں . . .

"بصرہ اور قاہرہ رکتے ہوئے لندن کی طرف روانہ ہوئے تو ہوائی جہاز کے چار میں سے ایک انجن خراب ہو گیا۔ پائلٹ کو جزیرہ مالٹا کے وکالا ایئر پورٹ پر اترنا پڑا۔ ہمیں گورنر کے مہمان کی حیثیت میں گورنر کے محل پر پہنچا دیا گیا۔ رات وہاں بسر کی۔ مجھے جو کمرہ ملا اس میں فرش نہیں تھا۔ ایک چارپائی، ایک چھوٹی سی میز، کمرہ میں دو تین الماریاں تھیں۔ گورنر کے اے ڈی سی نے مجھے بتایا کہ جنگ کے زمانہ میں یہ کمرہ وزیر اعظم چرچل کے لئے مخصوص تھا۔ یہ سن کر میں نے کمرے کا بغور جائزہ لیا۔ کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ میں نے الماریوں کا جائزہ لیا کہ شاید چرچل کی کوئی نشانی مل جائے۔ ایک الماری کے اوپر والے خانے میں ایک چھوٹی سی گرد میں دبی اٹی پڑی تھی۔ یہ لینن کی زندگی سے متعلق تھی۔ دوسرے دن ہم لندن پہنچے تو قائد اعظم کو رائل سوٹ میں ٹھہرایا گیا۔ ہوٹل کے ایک اہل کار نے مجھے بتایا کہ دوران جنگ انھی کمروں میں ناروے، لبنان اور یوگوسلاویہ وغیرہ کے بادشاہ ٹھہرے رہے"

مورخین نے لکھا ہے کہ اس کانفرنس میں سٹیٹ سیکرٹری کے فرائض بھی جناب خورشید صاحب نے انجام دیئے اور قائد اعظم خورشید صاحب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ انھی کی ہدایت پر مالٹا کے گورنر ہاؤس میں انھیں زیادہ محفوظ کمرے میں ٹھہرایا گیا، جو چرچل کے لئے مختص تھا۔ پنڈت نہرو جو خورشید صاحب کے ساتھ والے کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے، چرچل کے کمرے کو دیکھنے آئے۔

قائد اعظم کی ہمراہی میں خورشید صاحب کو تحریک آزادی ہند اور برصغیر کی سیاست کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا کیونکہ ان دنوں تحریک پاکستان آخری موڑ پر تھی اور قائد اعظم خورشید صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے

ہی مقرر ہوئے۔

"قائد سے ابتدائی ملاقات کا حال خورشید صاحب نے اپنی یادداشتوں میں یوں بیان کیا ہے :

"قیامِ پاکستان کے لبعد ہی سے میں چند روز کے لئے گھر واپس جانا چاہتا تھا گزشتہ سات سال کے عرصہ میں کسی چھٹی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے قائدِ اعظم سے اجازت لی۔ پہلے راضی نہ ہوئے۔ لبعد میں کشمیر کے اندرونی حالات کے سلسلے میں انھوں نے محسوس کیا کہ میرا وہاں جانا انتہائی ضروری ہے۔ انھوں نے مجھے ایک مہینے کے لئے کشمیر جانے کی اجازت دی۔ ۳۰ر ستمبر ۱۹۴۷ء کی شام قائدِ اعظم سے میری آخری ملاقات ہوئی۔ مادرِ ملت بھی موجود تھیں۔ قائدِ اعظم نے کشمیر کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور اس یقین کا اظہار کیا کہ انشاءاللہ کشمیر کا مسئلہ ہماری خواہش کے مطابق حل ہوگا۔"

یکم اکتوبر کو خورشید صاحب قائدِ اعظم کی ضروری ہدایات کے ساتھ سری نگر روانہ ہوئے ۲۷ر اکتوبر کو بھارتی فوجیں سری نگر کے ہوائی اڈے پر اتر گئیں اور ۲ر نومبر ۱۹۴۷ء کو خورشید صاحب کو سری نگر سے گرفتار کر کے دس سال کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔

"قائدِ اعظم کے مختصر گھرانے میں خورشید صاحب کی حیثیت ایک فرد کی سی رہی ہے یہی وجہ ہے کہ قائدِ اعظم کو ان سے بہت پیار تھا۔ جب وہ سری نگر میں گرفتار ہوئے تو انھوں نے خورشید صاحب کی رہائی کے لئے پنڈت نہرو سے خاص طور پر بات کی اور تبادلے میں جنرل گھنسارا سنگھ کی رہائی کی پیش کش کی۔ جنرل گھنسارا سنگھ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ گلگت کے علاقے کا کمانڈر گورنر تھا جو ڈوگرہ کی بغاوت کے دوران گرفتار ہوا، چنانچہ جب خورشید صاحب پاکستان آئے تو محترمہ فاطمہ جناح نے انھیں بیرسٹری کے لئے لندن بھیجا۔

کے ایچ خورشید ابتداء سے کشمیر کے بارے میں بڑے جذباتی واقع ہوئے تھے اور پھر شعلہ بیان اور بانسے کے قلمکار تھے۔ انھوں نے قائدِ اعظم سے سیاسی تربیت حاصل کی تھی جو کچھ سیکھا اس کو صحیح سمت استعمال کیا صاف گو اور بے غرض سیاست دان تھے جو سوچتے اس پر بھرپور عمل کرتے۔ لگی لپٹی کے ہرگز قائل نہ تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا ان کی شخصیت پر قائدِ اعظم کی سیاست اور شخصیت کا گہرا اثر صاف محسوس کیا جاتا تھا۔ گفتگو کا وہی رنگ، انداز وہی اصول پرستی جہدِ مسلسل اور اقتدار کو اپنی اور اپنے عزیزوں کے لئے مالی فائدے کا ذریعہ نہ بنانے کا وہی طریقہ ان کی زندگی میں بڑا نمایاں ہے۔ یہی ان کو اپنے ہم عصر سیاست دانوں سے محترم و ممتاز اور عوام کا ان کے ساتھ جذباتی لگاؤ کا سبب بنا۔

۱۹۵۹ء میں فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں جب ان کو آزاد کشمیر کا صدر بنایا گیا تو اس وقت آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی عملداری تھی۔ خورشید صاحب نے یہ سلسلہ ختم کروایا اور آزاد کشمیر میں وکل کونسلوں سے لے کر اسٹیٹ کونسل تک انتخابات کرائے۔ ۱۹۶۱ء کو عوام کو نظامِ حکومت میں شامل کرنے کا پہلا موقع تھا۔ اس سے قبل مسلم کانفرنس اپنا نامزد آزاد کشمیر کے عوام پر حکومت کرنے بھیجا کرتی تھی۔ مسلم کانفرنس نے اس کی سخت مخالفت کی۔ خورشید صاحب نے یہ محسوس کیا کہ مسلم کانفرنس کو اب آزادی سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ اقتدار پر قبضہ چاہتی ہے۔ چنانچہ تحریکِ آزادیٔ کشمیر کو تیز کرنے کی غرض سے خورشید صاحب نے ۱۹۶۲ء میں جموں و کشمیر لبریشن لیگ کے قیام کا اعلان کیا۔

لبریشن لیگ کے اغراض و مقاصد تحریکِ آزادی کو تیز کرنے کے لئے کشمیر کی حکومت کو بااختیار حکومت تسلیم کرنا آزاد کشمیر میں پارلیمانی جمہوریت کا رواج اور گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر میں شامل کرنا تھا۔ تین بڑے مطالبے تھے جن میں سے جمہوری پارلیمانی حکومت کا قیام عمل میں آ چکا تھا جو لبریشن لیگ کے کارکنوں اور کے ایچ خورشید صاحب کی قربانیوں کا نتیجہ ہے

خورشید صاحب آزاد کشمیر کی حکومت میں مداخلت کے مخالف تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ

تھا کہ آزاد کشمیر ایک خود مختار ریاست ہے جس پر حکومت کرنے کا حق صرف منتخب نمائندوں کو ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ آخری دم تک لڑتے رہے ۔ آزاد کشمیر کی صدارت کی کرسی بھی اسی وجہ سے چھوڑنی پڑی ۔ میرپور کے مقام پر منگلا بند کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو وہاں کے لوگوں کی آبادکاری کا مسئلہ سامنے آیا وہ ان مسائل کو حل کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے حکومت پاکستان کے بعض اعلیٰ افسران نے ان کاموں میں مداخلت شروع کر دی ۔

کے ایچ خورشید جیسے اصول پسند اور قوم پرست رہنما کے لئے یہ صورت حال قابل برداشت نہیں تھی اس لئے انھوں نے سخت رویہ اختیار کیا جو وزارت امور کشمیر کو پسند نہیں آیا ۔ ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں متاثرین منگلا ڈیم کے بارے میں وزارت امور کشمیر کے اعلیٰ افسران کی بنائی ہوئی رپورٹ انھوں نے مسترد کر دی اور آزاد کشمیر کے افسران کی رپورٹ کو اولیت دی ۔ وزارت کو یہ ساری باتیں ناگوار گزریں ۔ خورشید صاحب نے اس دوران مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں جرأتمندانہ موقف اختیار کیا اس میں اس بات کا اظہار کیا گیا کہ عالمی سطح پر آزاد کشمیر کی حیثیت سے منوایا جائے تاکہ یہاں کے لوگوں کا وقار بلند ہو ۔

کے ایچ خورشید اپنا موقف لے کر لبریشن لیگ کے پلیٹ فارم سے عوام تک پہنچے تو مسلم کانفرنس نے اس کی سخت مخالفت کی اور اس کو علیحدگی کی تحریک قرار دیا ۔ وزارت امور کشمیر جو پہلے ہی سے انھیں ہٹانے کی تاک میں تھی مسلم کانفرنس کے قائدین سے ساز باز شروع کر دی جس کے نتیجہ میں ۱۹۶۴ء میں وزارت امور کشمیر کے جوائنٹ سیکریٹری اور مشیر اعلیٰ کے دفتر میں انھیں اجلاس کے لئے بلایا گیا جہاں یہاں کے ساتھ تعمیر و ترقی کے بارے میں بات چیت کا پروگرام بنایا گیا تھا جناب کے ایچ خورشید جب راولپنڈی اجلاس کے لئے پہنچے تو ان کو مستعفی ہونے کے لئے کہا گیا ۔ خورشید صاحب نے وزارت امور کشمیر کو استعفیٰ دینے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ عوام کے منتخب نمائندے تھے ، جسے وہ عوام کی توہین سمجھتے تھے

......

خورشید صاحب میں سب سے نمایاں بات یہ تھی کہ وہ جس چیز کو دل ودماغ سے درست تسلیم کرتے اور اس پر کھُل کر عمل کرتے۔ ان میں ریاکاری یا مکاری نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ کھوکھلے نعروں سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے قائل نہیں تھے۔ جب کبھی کراچی آتے تو ایک گھنٹہ پہلے فون کرتے۔ خواجہ غلام حسن پنجابی ان سے اکثر کہتے کہ جب کراچی آئیں تو ایک ہفتہ کا وقت دیا کریں، کارکن ناراض ہوتے ہیں کہ خورشید صاحب آتے ہیں بتاتے بھی نہیں اور دوسرے قائدین آتے ہیں تو ان کا استقبال ہوتا ہے۔ اس لئے آپ پہلے بتایا کریں تاکہ آپ کا استقبال کیا جائے اور کارکن ایئرپورٹ پر آئیں۔ خورشید صاحب کہتے ہیں کہ کراچی میں ہر موسم میں گرمی بہت ہوتی ہے۔ میں اپنے عزیزوں کو دھوپ میں کھڑا نہیں کرنا چاہتا اور استقبال کی ضرورت بھی نہیں ہے

خورشید صاحب کی ہردلعزیزی کے بارے میں بس اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے دور صدارت میں جتنے مقبول ہوئے اس سے کہیں زیادہ مقبولیت انھیں مستعفی ہونے کے بعد ملی۔ کے ایچ خورشید کشمیر کی نظریاتی بقاء اور قومی سالمیت ووحدت میں پورا یقین رکھتے تھے۔ کشمیر اور کشمیریوں سے والہانہ محبت ان کی شخصیت کی نمایاں خصوصیت تھی۔ ۱۹۸۲ء میں اعظم کالونی کراچی کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"کشمیر اللہ کی سرزمین ہے اور اس پر مکمل حق اللہ کا ہے اس کے بعد اللہ کے بندوں کا ہے جو کشمیر میں رہتے ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر کشمیر کی ایک انچ زمین بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتی اور کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کسی معاہدے سے نہیں بلکہ کشمیری قوم کی مرضی سے ہوگی"

اسی وجہ سے کشمیری عوام کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۸۸ء کشمیری عوام کے لئے اضطراب کا دن تھا مظفرآباد میں بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور بچوں کو روتے

دیکھا۔ خود زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا رویا۔ محترم عزیز ایڈووکیٹ ساتھ نہ ہوتے تو خودکشی کرنے کو جی چاہتا تھا۔ ہر کسی کی زبان پر تھا کہ تحریک آزادی کا سچا سپاہی ہم سے جُدا ہوگیا۔

ریاست جموں و کشمیر کے تشخص کی آواز

تحریر: رشید ملک

۱۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو رات کے ۷ بجے کے قریب ہزاروں اشکبار آنکھوں کی موجودگی ماتمی بگل، بندوق کے علامتی فائر اور پولیس کے دستہ کی سلامی کے ساتھ جناب کے ایچ خورشید کا جسدِ خاکی لحد میں اُتارا جا رہا تھا تو میری چشم تصور میں ۱۹۴۴ء سے ۱۳ مارچ ۱۹۸۸ء تک کے وہ سیاسی واقعات گھوم گئے جن میں مسٹر خورشید کا نام کسی نہ کسی انداز میں ابھرتا رہا۔

۱۹۴۴ء میں مسٹر خورشید غالباً بی اے کے طالب علم تھے لیکن پہلے سٹوڈنٹس یونین اور پھر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرگرم کارکن کی حیثیت میں نمایاں تھے۔ انھیں صحافت اور علم و ادب سے دلچسپی تھی چنانچہ مسلم کانفرنس کے ممتاز رہنما اور قائدِ کشمیر چوہدری غلام عباس کے دستِ راست جناب اے آر ساغر نے ہفت روزہ "جاوید" جاری کیا تو مسٹر خورشید نہ صرف اس میں لکھتے رہے بلکہ "جاوید" کے ماتھے پر ادارہ تحریر میں جناب اے آر ساغر کے ساتھ خورشید حسن خورشید کا نام بھی چھپا کرتا تھا۔ یہ نام مسٹر خورشید کے قائدِ اعظمؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت میں بمبئی اور دہلی چلے جانے کے باوجود چھپتا رہا، کیونکہ وہ وہاں سے بھی ہفت روزہ "جاوید" کے لئے لکھا کرتے تھے۔ اس میں ہفت روزہ "جاوید" کو ریاست میں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن سمجھا جاتا تھا۔ بڑا مقبول اور مؤثر جریدہ تھا، اس

کے اداریئے، شذرات، جرعات کا کالم اور مضامین ڈوگرہ حکومت کے ایوانوں میں ہلچل پیدا کرتے تھے۔ جناب اے آر ساغر کی تحریر و تقریر کا شہرہ تھا۔ وہ علم و ادب، شعر و سخن اور طنز و مزاح سے سیاسی موضوعات میں جان پیدا کرتے تھے، ایسے ہی جوہر مسٹر خورشید بکھیرا کرتے تھے۔ جناب اے آر ساغر کی گرفتاری کے بعد پروفیسر محمد اسحاق قریشی نے ہجرت تک ہفت روزہ "جاوید" کے معیار کو برقرار رکھا۔

ان دنوں جناب حمید نظامی (مرحوم) نے اورینٹ پریس آف انڈیا کا آغاز ہی کیا تھا۔ مسٹر خورشید کشمیر میں اس کی نمائندگی بھی کرتے رہے۔ "قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے دورہ کشمیر کی کوریج انھوں نے اورینٹ پریس اور ہفت روزہ "جاوید" کے نمائندہ کی حیثیت میں اتنی عمدہ کی تھی کہ قائدِ اعظم نے سری نگر میں خود اسے دیکھا اور بڑے خوش ہوئے تھے۔

مسٹر خورشید طالب علم لیڈر کی حیثیت میں بھی قائدِ اعظمؒ سے ملتے رہے بلکہ ان کی ڈاک وغیرہ بھی دیکھتے اور پیش کرتے رہے۔ "قائدِ اعظمؒ ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے چوہدری غلام عباس سے اس کا ذکر بھی کیا پھر خورشید صاحب کو پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت میں ساتھ لے گئے۔ ہفت روزہ "جاوید" نے اپنے صفحہ پر ایک بکس (چوکھٹا) "خورشید حسن خورشید کا اغوا" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ یوں ریاست کے کونے کونے میں خورشید صاحب کی "قائدِ اعظمؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت میں تقرری کی خبر پھیل گئی تھی۔

۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء کا دور تحریک پاکستان کا فیصلہ کن اور تاریخی دور تھا۔ اس دور کے نازک ترین لمحوں میں مسٹر خورشید "قائدِ اعظمؒ" کے ہم رکاب رہے۔ وہ گول میز کانفرنس لندن میں بھی ساتھ تھے، انھیں سیاست کے نشیب و فراز، "قائدِ اعظمؒ" کے تدبر و فراست، ان کی فکر مسلمانوں کی ان سے والہانہ محبت اور انگریز و کانگریس کے ساتھ

سوکہ آلٹی کے جوہر دیکھنے کا موقع قریب سے ملا۔ خود مسٹر خورشید کے نکھرا ذوقِ سیاست کو جلا ملی اور کردار سازی کی تربیت بھی حاصل ہوئی۔

غالباً اکتوبر ۱۹۴۶ء میں چوہدری غلام عباس، اے آر ساغر، آغا شوکت علی، مولانا نورالدین، محی الدین راہبر اور اسماعیل ساغر سری نگر میں گرفتار ہو گئے۔ انھیں ریاسی (میرا وطن مالوف) جیل میں منتقل کیا گیا، جیل میں ان رہنماؤں کے نامہ و پیام چوہدری حمید اللہ (مرحوم) (قائم مقام صدر مسلم کانفرنس) تک خاکسار کے ذریعے پہنچتے رہے، تھوڑے عرصہ بعد اے آر ساغر صاحب کو کھٹوعہ (پٹھان کوٹ کے نزدیک کٹر ہندو آبادی کا قصبہ) جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ چوہدری غلام عباس صاحب کو جموں جیل میں لے گئے۔ آغا شوکت علی، مولوی نورالدین اور محی الدین رہبر ریاسی جیل میں ہی رہے۔

کیبنٹ مشن کی ہندوستان میں آمد اور کانگریسی و مسلم لیگی رہنماؤں سے مذاکرات اور ان سے متعلق قیاس آرائیوں سے فضا معمور رہتی تھی، تقسیم ہند کے مختلف فارمولے اخبارات کا موضوع ہوتے، غالباً مئی ۱۹۴۷ء میں جناب خورشید نے آغا شوکت علی کے نام ایک خط بھیجا جو ریاسی میں مسلم کانفرنس کے صدر حکیم محمد اسلم ایڈووکیٹ (آج کل شیخوپورہ میں ہوتے ہیں) کے نام تھا۔ حکیم صاحب اور خاکسار ہمسائے بھی تھے اور صبح و شام اکٹھے ہوتے تھے، وہ خط انھوں نے میرے حوالے کیا، اندر لفافہ آغا شوکت علی کے نام تھا جو میں نے ایک مسلمان جیل ملازم کے ذریعہ آغا صاحب کو جیل میں پہنچایا۔ آغا شوکت نے اس خط کا جواب لکھ کر مجھے بھجوایا جو میں نے خورشید صاحب کے نام دہلی کے پتہ پر پوسٹ کر دیا۔ خورشید صاحب کا اصل خط بھی آغا شوکت علی نے مجھے اس ہدایت کے ساتھ جیل سے باہر بھیج دیا کہ اسے چوہدری حمید اللہ صاحب کے پاس جموں پہنچا دوں چنانچہ یہ فریضہ بھی خاکسار نے انجام دیا (آغا شوکت علی اسلام آباد میں زندہ ہیں، یہ مضمون پڑھ کر میری تائید کریں گے) یہ خط اس وقت کے حالات اور قائدِ اعظمؒ کی

نواب بھوپال کے ذریعہ جاری کوششوں کے عین مطابق تھا۔ بعد کے واقعات نے انگریز اور کانگریس کی سازش کو بے نقاب کیا اور نواب بھوپال کی کوششیں بھی غلط ثابت ہوئیں اس خط کو سیاسی حلقوں میں اپنے اپنے پہنائے گئے، حالانکہ ان میں کسی نے وہ خط نہیں دیکھا تھا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ مسٹر خورشید قائدِ اعظمؒ کی ہدایت پر سری نگر گئے، وہاں گرفتار کر لئے گئے، وہ ساتھیوں اور رکھوالوں کے علاوہ رام نگر جیل میں رہے۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی کے بعد بین الاقوامی ریڈ کراس کی معاونت سے قیدیوں کے تبادلہ میں مسٹر خورشید سوچیت گڑھ (سیالکوٹ) کے راستے پاکستان پہنچے۔ ان کے ساتھ مسٹر اے آر ساغر، مولوی نورالدین، مولوی عبدالرحیم، کیپٹن میاں نصیرالدین، آغا شوکت علی، حاجی محمد قاسم، سردار لطیف خان، سید حسن شاہ گردیزی وغیرہ بھی جیل سے رہا ہو کر پاکستان آئے تھے۔

پاکستان میں پہنچ کر جناب کے ایچ خورشید نے ایک انگریزی ہفت روزہ "گارڈین" کا اجرا کیا۔ اس میں وہ عموماً حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر خاص کر مسلم کانفرنس کو ہدفِ تنقید بناتے رہے، مسٹر عزیز بیگ ان کے رفیق تھے، یہ رفاقت زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ گارڈین بند ہو گیا، جناب خورشید تعلیم مکمل کرنے کے لئے لندن تشریف لے گئے۔ بار ایٹ لاء کر کے آئے تو کراچی میں قیام اختیار کر لیا، محترمہ فاطمہ جناح کی شفقت حاصل رہی، جناب حسن اے شیخ اور بروہی (مرحوم) کی معاونت بھی ملتی رہی۔ سیاست آزاد کشمیر سے ان کی دلچسپی اوپری اوپری سی رہی

ستمبر ۱۹۵۶ء میں مسلم کانفرنس کا متحدہ کنونشن مظفر آباد میں منعقد ہوا۔ اس میں مسلم کانفرنس کی صدارت کے لئے سردار محمد ابراہیم خان کا نام جناب اے آر ساغر نے تجویز کیا اور حکومت آزاد کشمیر کی صدارت کے لئے سردار محمد عبدالقیوم کا نام مسٹر کے ایچ خورشید نے

پیش کیا۔ اسی کنونشن میں سردار عبدالقیوم نے صدر آزاد جموں وکشمیر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ مسٹر خورشید کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کے لئے انھیں حکومت کا پبلسٹی ایڈوائزر مقرر کیا گیا، ان کا درجہ وزیر کے برابر اور ہیڈ کوارٹر کراچی رکھا گیا تھا۔ اس زمانہ میں مرکزی حکومت کے دفاتر کراچی میں ہوتے تھے۔ سات ماہ بعد سردار محمد عبدالقیوم خاں کی صدارت ڈول گئی اور تھوڑے عرصہ کے بعد خورشید کی ایڈوائزری بھی ختم کر دی گئی۔

۱۹۵۸ء میں کے ایل ایم جناب چوہدری غلام عباس (مرحوم) نے شروع کی تو مسٹر خورشید ان کے ساتھ گرفتار ہو گئے، اسی دوران پہلا مارشل لا لگا، کے ایل ایم معطل کی گئی، چند ماہ کے بعد جناب چوہدری غلام عباس اور ان کے ساتھی رہا کر دیئے گئے، آزاد جموں وکشمیر میں صدارت کی تبدیلی کا ڈول پھر ڈالا گیا۔ اس وقت کے رولز آف بزنس کے مطابق آزاد جموں وکشمیر کا صدر وزارت امورِ کشمیر کے مشورہ سے مجلسِ عاملہ نامزد کیا کرتی تھی۔ سردار محمد ابراہیم خاں آزاد جموں وکشمیر کے صدر تھے لیکن ان کے ہٹائے جانے کی افواہیں عام تھیں۔

مسلم کانفرنس کی سیاست میں ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک جناب اے آر ساغر کو اپنی ذہانت، صاف ستھرے علمی و ادبی ذوق، سحر بیانی اور مسلسل قربانیوں کے باعث کلیدی مقام حاصل تھا۔ ۱۹۶۴ء میں وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ وہ خود کبھی مناصب کے خواہشمند نہیں رہے لیکن جناب چوہدری غلام عباس (مرحوم) ان کے مشوروں کو انتہائی اہمیت دیتے تھے۔ ساغر صاحب مسلم کانفرنس کی نوجوان لیڈرشپ میں مسٹر یوسف بچھ (جو بھٹو صاحب کے مشیر بھی رہے) اور مسٹر کے ایچ خورشید کو ان کی ذہانت، اعلیٰ تعلیم اور علمی و ادبی ذوق کے باعث بڑا عزیز سمجھتے بلکہ انھیں آگے بڑھاتے تھے۔

اپریل ۱۹۵۹ء میں صدر آزاد جموں وکشمیر جناب سردار محمد ابراہیم خاں کے تبدیل کئے جانے کی افواہوں کا دور تھا، راقم الحروف ایک دن جناب اے آر ساغر کے ہاں حاضر ہوا تو انھوں نے گپ شپ کے طور پر افواہوں کا دریافت کیا۔ ابھی بات چل ہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

جناب چوہدری غلام عباس کا ساغر صاحب کے نام فون تھا۔ میں پاس بیٹھا تھا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا:

"ساغر صاحب! آپ یہاں نہیں تھے، غالباً لاہور گئے تھے، میرے پاس جوائنٹ سیکرٹری وزارت امورِ کشمیر آئے تھے، انھیں شاید صدر ایوب نے مشورہ کے لئے بھیجا تھا، میں نے آپ کا "گھوڑا" آگے کر دیا ہے"

ساغر صاحب نے ادھر سے پوچھا:

"امریکہ والا یا کراچی والا" (یوسف بچھ امریکہ میں ہوتے تھے اور خورشید صاحب کراچی میں)۔ چوہدری صاحب نے کہا

"امریکہ والے کی رضامندی نہیں آئی تھی، کراچی والا"

ساغر صاحب نے ٹیلی فون چھوڑا۔ مجھے کہا

"مسٹر خورشید آزاد کشمیر کے صدر ہو گئے ہیں"

اپریل کے آخری ہفتہ میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں مسٹر خورشید کو وقت کے آئین کے تحت نامزد کیا اور یکم مئی ۱۹۵۹ء کو مسٹر خورشید نے آزاد جموں وکشمیر کے صدر کی حیثیت میں ایک پُر وقار تقریب میں حلف اٹھایا۔ وہ اگست ۱۹۶۴ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ خاکسار نے چار سال تک ان کے رابطہ آفیسر کی حیثیت میں فرائض انجام دیئے۔

سرحد کے اس طرف ریاست جموں وکشمیر کی سیاست کا یہ کربناک المیہ تھا کہ بہت جلد مسٹر خورشید اور جناب چوہدری غلام عباس کے درمیان اختلاف پیدا ہو گئے یا پیدا کر دیئے گئے، جو جناب چوہدری غلام عباس کے ایبڈو کئے جانے اور ۱۹۶۴ء میں مسٹر خورشید کی صدارت سے علیحدگی پر منتج ہوئے

خورشید صاحب نے ۱۹۶۲ء میں صدارت کے عروج میں جموں وکشمیر لبریشن لیگ کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر لبریشن لیگ کی بنیاد رکھی۔ انھوں

نے آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کو تسلیم کرانے کا جاذب اور دل کش نعرہ کی بنیاد پر اپنی جداگانہ سیاست کا ڈول ڈالا۔ وہ اس نعرہ کے عملی پہلوؤں پر اختلافات کے باوجود جناب چوہدری غلام عباس، جناب سردار محمد ابراہیم خان، جناب اے آر ساغر اور جناب سردار محمد عبدالقیوم کو اعتماد میں لیتے تو شاید اس کی بہتر صورت اجتماعی فکر کے ساتھ ابھرتی، انھوں نے محاذ آرائی کی سیاست کی کوکھ سے اسے ابھارا۔ جس کے باعث یہ عمومی پذیرائی حاصل نہ کر سکا۔ بہرحال وہ زندگی کے آخری سانس تک اس کے علمبردار رہے، اس اعتبار سے ان کی سیاست "انفرادیت" کا حسن اور ایک خاص نظریاتی رنگ لئے ہوئے تھی۔

جناب خورشید نے اکتوبر ۱۹۷۰ء میں آزاد جموں و کشمیر کے صدر کے انتخاب میں دوسری پوزیشن حاصل کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ اپنے پانچ سالہ دورِ صدارت اور اپنے مخصوص سیاسی نظریہ اور منفعت زر سے پاک سیاسی کردار کے باعث انھوں نے کسی برادری کی حمایت کے بغیر آزاد کشمیر کی سیاست میں ایک مقام پیدا کیا ہے۔ اسمبلی میں ان کے حامی منتخب ہوتے رہے اور وہ خود بھی ثابت قدمی سے اپوزیشن کا کردار ادا کرتے رہے۔

پاکستان میں پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار آئی تو اس کی پہلی یلغار آزاد جموں و کشمیر کے صدر سردار محمد عبدالقیوم پر پڑی تو مسٹر خورشید نے بھی باول نخواستہ اپنی جماعت لبریشن لیگ کو پیپلز پارٹی میں ضم کر دیا تھا۔ مسٹر بھٹو کے انتقال کے بعد انھوں نے لبریشن لیگ کا احیاء کر دیا۔ مارشل لاء لگا، آزاد جموں و کشمیر کی صدارت کا ہما میجر جنرل (ریٹائرڈ) حیات خاں کے سر پر بیٹھا تو خورشید صاحب نے دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر جمہوریت کی بحالی کے لئے جد و جہد کی۔ ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں وادی کشمیر کے حلقہ لاہور سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور حزبِ اختلاف کے قائد کی حیثیت میں اسمبلی کے روح رواں کا کردار ادا کرتے رہے۔ ان کی فاضلانہ تقریریں جو خوبصورت اشعار سے آراستہ ہوتی تھیں، اسمبلی کی کارروائی کا حسن سمجھی جاتی تھیں۔ وہ اپوزیشن کی حالیہ ایجی ٹیشن میں اگرچہ سرگرمِ عمل تھے لیکن ان کے انداز میں سنجیدگی

نگہت سوچ اور اعتدال کا پہلو بہرحال ہوتا تھا۔ وہ جمہوریت کی روح پر یقین رکھتے ہیں اور حزب اقتدار کی بالادستی کو ہمیشہ تسلیم کرتے تھے۔ اپوزیشن کی تحریک کے بعض فیصلوں میں یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ دل سے شامل نہیں بلکہ گھسیٹے گئے ہیں

مسٹر کے ایچ خورشید کی موت سے کشمیر کی سیاست سرحد کے دونوں طرف ایک بالغ نظر قومی سوچ کے حامل سیاست دان، ایک بلند پایہ پارلیمنٹیرین، بے داغ کردار کے سیاسی کارکن اور ذوقِ سخن رکھنے والے صحافی سے محروم ہو گئی ہے۔ وہ جنوری ۱۹۴۹ء میں غریب الوطن کی حیثیت سے پاکستان میں آئے تھے اور مارچ ۱۹۸۸ء میں ۶۴ سال کی متحرک زندگی گزارنے کے بعد غریب الوطن کی حیثیت سے ہی اس دنیا سے اٹھ گئے ہیں لیکن اپنے بے داغ کردار، ذہانت، حسنِ خطابت اور شخصی حسن و جمال کی ان مٹ حسین یادیں چھوڑ گئے ہیں

حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا۔

میاں محمد طفیل

بعض افراد اس فانی دنیا میں غیر فانی شخصیات سے کرتے ہیں اور تاریخ انھیں ہمیشہ یاد رکھتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے انسان، انسانی کمزوریوں سے مبرا ہوتے ہیں۔ بشری کمزوریاں ہی تو انسانی فطرت کا خاصہ ہیں لیکن ان غیر فانی شخصیات کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کی کمزوریوں کو اچھائیوں کی چھاؤں میں چھپا لیتی ہیں۔ میاں محمد طفیل گکھڑ ضلع گوجرانوالہ کی ایک ایسی ہی باغ و بہار شخصیت تھے جنھیں کردار کی خوبیوں نے گکھڑ کے ایک خاص مقام دے رکھا تھا۔

میاں محمد طفیل، میاں کرم دین کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں گکھڑ میں پیدا ہوئے میاں کرم دین ایک پرانی وضع کے پڑھے لکھے بزرگ تھے اس لئے گکھڑ کی سماجی اور کاروباری زندگی میں خاص مقام رکھتے تھے۔ میاں محمد طفیل کے بڑے بھائی میاں فاضل رشید ہی ضلع گوجرانوالہ کی ممتاز سیاسی شخصیت ہیں اور ایک علمی و ادبی ذوق کے مالک ہیں۔ میاں طفیل محمد نے میٹرک گکھڑ سے کیا اور اپنے والد کے کاروبار میں شریک ہو گئے۔ آپ میں ادب و شعر کا ذوق غالباً

نفرت نے وراثت کیا تھا جیسے سید عطاءاللہ شاہ بخاری مرحوم اور مرحوم شورش کاشمیری جیسے نابغہ روزگار شخصیات کی صحبتوں کو جلا بخشی۔ میاں طفیل شاعر تھے اور نہ ہی مقرر لیکن شعر شناس اور مقررین کے قدردان تھے۔ زندہ دلی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ناخواندگی سے نفرت کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ غریب غرباء کے بچے ناخواندہ نہ رہیں۔ جہاں تک ہو سکتا تھا وہ نادار بچوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔

انسان ان سے ایک دفعہ نشست کر کے دوسری دفعہ خود بخود ان کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا استاد امام بخش ناسخ کی مانند دسترخوان کے بھی شیر تھے اور کیا مجال کہ ذیابیطس کے مریض ہونے کے باوجود پرہیزی غذا کھائیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر انسان کھاتا پیتا مرے تو کوئی حرج نہیں

موصوف نے ۱۹۷۹ء میں بلدیاتی انتخاب لڑا تو کامیاب ہوئے لیکن انھیں جلد ہی احساس ہوا کہ منافقت، جھوٹ، دروغ گوئی اور بے ایمانی کی سیاست میں وہ فِٹ نہیں کیونکہ وہ ان سب چیزوں کو ایک انسانی ضمیر پر ایک بوجھ خیال کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی کونسلری کے چار سال بڑے مشکل میں گزارے۔ اسی لئے انھوں نے ۸۳ء میں بلدیاتی انتخاب نہ لڑا۔ وہ ادبی، علمی اور سماجی انجمنوں کی جان تھے۔ دسمبر ۱۹۸۵ء میں وہ ذیابیطس کے مریض ہونے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

از میرپور
۴ ستمبر ۱۹۹۰

برادرم غلام رسول سندھو صاحب

السلام علیکم! خیریت ہے آپ کا رقعہ ملا شکریہ۔ آپ نے جناب کے ایچ خورشید مرحوم کی یادوں کے عنوان سے کچھ لکھنا یا کتاب لکھنا شروع کیا ہے اس کے لئے میں آپ کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں۔ میں آج کل سیاسی و وکالتی ہر دو کاموں میں سخت مصروف ہوں اس لئے کچھ تحریر کرنے کا وقت ملنا مشکل ہے کیونکہ لوگ وقت نہیں دیتے اور نہ ہی کسی وقت فارغ چھوڑتے ہیں۔

البتہ میں عنقریب گوجرانوالہ آنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وہاں پر آپ سے ملاقات کی کوشش کروں گا تاکہ جو کچھ مجھے یاد ہے اس حوالے سے آپ میرا انٹرویو لے لیں اور وہ آپ کی کتاب کا حصہ بن جائے یا پھر جلدی ہو تو مجھ سے فون پر رابطہ کریں اور کسی جگہ ملاقات کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ میری طرف سے مزید احباب کو سلام علیکم مخلص

شریف طارق صدر جموں و کشمیر لبریشن لیگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مظفرآباد (آزاد کشمیر)

محترم جناب سندھو صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مجھے تقریباً دس دن قبل آپ کا خط ملا۔ آزاد کشمیر میں صدارتی اور آزاد جموں و کشمیر کونسل کے انتخابات، بجٹ اجلاس جیسے اہم سیاسی معاملات زیر کار تھے، اس لئے پیشہ وارانہ مصروفیات کی وجہ سے فوری طور پر آپ کے خط کا جواب تحریر نہیں کر سکا، معذرت خواہ ہوں۔ یہ تو ایک قابل قدر کارنامہ ہو گا اگر آپ جموں و کشمیر کے عظیم، ذہین، دیانتدار محنت کش، مدبر، دانشور، لیڈر اور قانون دان جناب کے ایچ خورشید مرحوم کی یادوں پر مشتمل کتاب لکھنے میں کامیاب ہو گئے

بلکہ محترمہ ثریا خورشید صاحبہ سے بھی اس بارے میں بات کی جو لاہور سے مظفرآباد اسمبلی کی کارروائی میں شرکت کے لئے تشریف لائی تھیں۔ غالباً آپ نے ان کے ساتھ لاہور میں رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔

فی الوقت اپنی بے حد مصروفیات کی وجہ سے عظیم المرتبت رہنما کے بارے میں یادیں نہیں تحریر کر سکوں گا اس کے لئے مناسب ماحول، جرأت اور حوصلہ کی ضرورت ہے، قدرے مصروف بھی ہوں۔ ۲۲ یا ۲۳ ستمبر کو آفس ضلع کچہری میں آپ سے ملاقات کی کوشش کروں گا

البتہ خورشید مرحوم کے جنازے بمار کوٹ سے مظفر آباد ان کی آخری آرام گاہ تک کی ویڈیو فلم اور ریاست کے نامور دانش وروں، سیاست دانوں، مفکروں، تاریخ دانوں، سیاسی کارکنوں، صحافیوں، ان کے ساتھ اختلاف رائے رکھنے والے تقریباً ایک سو شخصیات سے ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کئے ہیں۔ میرے لئے مشکل یہ ہے کہ وہ میری نہیں کسی اور کی ملکیت ہے۔ ۳۰۰ گھنٹے کی تقریباً دس کیسٹیں ہیں۔ اگر آپ بھی چند دن نکال کر ان کے گھر مظفر آباد آسکتے ہوں تو وہاں ویڈیو کیسٹ اور ان اہم تاریخ ساز شخصیات کے فوٹوسیٹ آپ میرے اندازے کے مطابق ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل دو کتابیں آسانی سے ترتیب دے سکتے ہیں (ارشد ویڈیو سنٹر مدینہ مارکیٹ مظفر آباد آزاد کشمیر) کے پاس ہے۔ ان انٹرویوز اور فلم پر اس کا تقریباً لاکھ ایک روپیہ خرچ ہوا ہوگا کیونکہ میرپور، اسلام آباد، راولپنڈی، مظفر آباد اور دیگر شہروں میں ۵ ماہ کی مسلسل کاوشوں اور تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ مکمل ہو چکی ہے۔ اگر وہ لوگ تعاون کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں تو آپ کا سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور ناقابل تردید واقعات، واردات اور انتہائی نازک و حساس معاملات سامنے لانے میں کامیاب ہوں گے یعنی ایسی باتیں سامنے آئی ہیں جس سے ساری قوم بے خبر ہے۔ ان انٹرویوز میں جناب اے آر ساغر، سردار عبدالقیوم خان، پیر علی جان شاہ، عبدالخالق انصاری، سابق وزیراعظم سکندر حیات خان، محترمہ ثریا خورشید، خالد حسن، بریگیڈیئر بشیر ملک وغیرہ اہم شخصیات نے یادیں سامنے لائی ہیں۔ مجھے امید ہے آپ بخیریت سے ہوں گے۔ والسلام

(جی ایم مفتی)

دلائی کیمپ کا پہلا قیدی

کلیم اختر

جناب کے ایچ خورشید جنھیں ان کے قریبی دوست اور احباب "کے ایچ" اور اہل جموں و کشمیر "خورشیدِ ملت" کے نام سے پکارتے تھے اب اس جہانِ رنگ و بو سے منہ موڑ کر دُور افق کی پنہائیوں میں غروب ہو چکے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات کہی ہے

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر نکلے اُدھر ڈوبے اُدھر نکلے اِدھر ڈوبے

کس کو معلوم تھا کہ بانئ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کا با اعتماد، باوفا اور باصلاحیت خدمت گزار کسی سنولائی ہوئی شام کو ایک شاہراہ کے کنارے ایک حادثہ میں دم توڑ دے گا اور یوں اپنے پیچھے لاکھوں انسانوں کو روتا چھوڑ دے گا۔

جناب کے ایچ خورشید اس دور میں شرافت، ذہانت اور دیانت کا مجسمہ اور علامت تھے۔ خوبصورت سیرت، خوبصورت شخصیت، خوبصورت گفتار، خوبصورت کردار اور مسکراتا ہوا چہرہ یہ سب اعلیٰ اوصاف ان کی شخصیت میں سمو گئے تھے۔ خداوندِ کریم نے انھیں حسنِ سیرت سے ہی نہیں نوازا تھا بلکہ قوتِ تقریر اور طاقتِ تحریر بھی عطا فرمائی تھی اور یہی وہ انسانی خوبیاں تھیں جو بانئ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ایک بیس سالہ نوجوان میں دیکھ لی تھیں اور پھر اپنا ذاتی سیکرٹری چن لیا تھا اور یہ تعلق اس وقت تک جاری رہا جب تک جناب کے ایچ خورشید ستمبر ۱۹۴۷ء میں اپنے اہل خانہ سے ملنے ۱۹۴۴ء جون کے بعد ۱۹۴۷ء ستمبر میں سری نگر گئے۔ اس چار سالہ دور میں یہ ان کی وطن میں پہلی واپسی تھی حالانکہ اسی عرصہ میں ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تھا مگر کے ایچ خورشید نے اس نازک وقت میں ایک دن کی بھی رخصت نہیں چاہی اور قائداعظمؒ کے ساتھ شب و روز کام میں منہمک رہے۔

یہ زمانہ شملہ کانفرنس کی تیاری کا تھا۔ حالانکہ اس سانحہ کی خبر سب سے پہلے "قائداعظم

محمد علی جناحؒ ہی کو ملی تھی اور انھوں نے خورشید صاحب مرحوم کو جب یہ اطلاع دی تو اس کے ساتھ بمبئی سے لے کر دہلی تک ایئر انڈیا کا ٹکٹ بھی تھا لیکن خورشید صاحب نے یہ کہہ کر کہ میری والدہ محترمہ تو وفات پا گئی ہیں مگر اس وقت پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے اسی لئے میرا اس نازک وقت میں قائد سے چند دنوں کے لئے بھی رخصت ہونا مناسب نہ ہو گا۔"

اس نازک وقت میں قائد سے چند دنوں کے لئے بھی رخصت ہونا مناسب نہیں

کے ایچ خورشید کی اس آواز کو قائداعظمؒ نے محسوس کیا اور ان کی نگاہوں میں خورشید صاحب کی عزت و وقار میں مزید اضافہ ہوا اور ان کی وفات حسرت آیات کے بعد محترمہ فاطمہ جناحؒ نے بھی تا زیست خورشید صاحب کا یہاں تک خیال رکھا کہ انھیں اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن کی درسگاہ لنکزان میں بار ایٹ لا کے لئے بھجوایا اور ان کی شادی کے بعد انھیں کراچی میں "فلیگ سٹاف ہاؤس" میں رکھا۔ ان ایام کی یادوں کے حوالہ سے بیگم خورشید صاحبہ نے "محترمہ فاطمہ جناحؒ کے شب و روز" کے نام سے ایک گراں قدر کتاب لکھی ہوئی ہے جو چند برس پیشتر شائع ہو چکی ہے۔

کے ایچ خورشید کا تعلق ریاست جموں و کشمیر کے ایک علمی، ادبی اور دینی خانوادہ سے تھا۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد حسن ریاست کے اولین مسلمان بی ایس سی بی ٹی تھے جنھوں نے اپنا کیریئر بطور ہیڈ ماسٹر گلگت ہائی سکول سے کیا جہاں ۱۹۲۴ء میں مسٹر کے ایچ خورشید پیدا ہوئے مولانا محمد حسن مرحوم ریاست کے مسلم انسپکٹر آف سکولز کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد ملٹری کالج جہلم میں بھی لیکچرز دیتے رہے۔ مرحوم صاحب علم و دانش تھے اور مولانا رومی اور حافظ، سعدی اور غالب پر اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے۔ خورشید صاحب کی زندگی پر ان کی علمی و ادبی حیثیتوں کا گہرا اثر تھا۔

کے ایچ خورشید نے تعلیم سری نگر میں حاصل کی ۔ ایف اے سری پرتاپ کالج سے اور امر سنگھ کالج میں فورتھ ایئر کے طالب علم تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح ؒ ۱۹۴۴ء میں اپنے ساتھ لے گئے ۔ اس وقت آپ پوری ریاست میں طالب علموں کے لیڈر اور تحریک پاکستان کے پرجوش حامی کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے ۔ آپ جموں و کشمیر مسلم سٹوڈنٹس یونین کے بانی جنرل سیکرٹری تھے جب کہ اسی تنظیم کے صدر احمد اللہ رضا تھے دیگر ممبران میں میر عبدالعزیز غلام دین وانی اور خواجہ حبیب اللہ ککرو وغیرہم تھے ۔

کے ایچ خورشید ریاست میں اورینٹ پریس کے نمائندے کے معاون تھے ۔ ملان میں آپ اسی زمانہ سے خط لکھتے تھے اور ریاست کے مشہور مسلم کانفرنس جریدہ "جاوید" جس کے بانی ایڈیٹر لے آر ساغر تھے خورشید صاحب اس کے معاون تھے ۔ اسی جریدہ میں ان کے مضامین ہی نہیں چھپتے تھے بلکہ ادارۂ تحریر میں خورشید صاحب کا نام بھی چھپتا تھا ۔

پاکستان میری بہن، میرے سیکرٹری اور میرے ٹائپ رائٹر نے حاصل کیا ہے

۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ قائداعظم محمد علی جناح ؒ کے بااعتماد سیکرٹری رہے اور اس نازک وقت میں آپ نے جس اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا اس کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح ؒ نے فرمایا تھا کہ

"پاکستان میری بہن، میرے سیکرٹری اور میرے ٹائپ رائٹر نے حاصل کیا ہے" اور اس پر روزنامہ نوائے وقت کے مدیر اعلیٰ جناب حمید نظامی نے ایک ادارتی نوٹ میں ۱۹۵۹ء میں یہ لکھا کہ

"ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سیکرٹری کے ایچ خورشید تھے"

۱۹۴۶ء میں کے ایچ خورشید کو قائداعظم محمد علی جناح ؒ نے اس وفد میں شامل کیا جو لندن میں مذاکرات کے لئے گیا تھا ۔ اس کے دیگر اراکین میں خان لیاقت علی خان مرحوم اور جناب ممتاز حسن تھے ۔ پھر شملہ کانفرنس کے موقعہ پر قائداعظم محمد علی جناح ؒ کے ساتھ وہ ہر لمحہ رہے ۔ قیام پاکستان

کے بعد آپ قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مسلم لیگ کا خاص ریکارڈ لے کر بذریعہ ٹرین دہلی سے پاکستان آئے اور اس ٹرین پر حملہ ہوگیا مگر آپ بچ گئے۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے آپ کو زیر دستخطی خط سے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کے پہلے سیکرٹری کا آرڈر دیا اور ان کے سری نگر جانے کے بعد یہ ذمہ داری فرخ امین سی ایس پی نے سنبھال لی۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اوائل میں حکومتِ کشمیر نے آپ کو سری نگر میں گرفتار کرلیا۔ آپ پر الزام لگایا کہ آپ حکومت جموں و کشمیر کے خلاف بغاوت کرا رہے ہیں۔ انہیں پہلے سری نگر کے کوٹھی باغ تھانہ میں رکھا گیا پھر رام نگر جیل میں بند کر دیا جہاں ان کے ساتھ دیگر مسلم کانفرنس لیڈر تھے جن میں میر واعظ شوپیاں مولوی محمد عبداللہ بھی تھے۔

نومبر ۱۹۴۹ء میں آپ قیدیوں کے تبادلہ میں پاکستان آئے۔ آپ کا تبادلہ ڈوگرہ حکمران کے گورنر بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کے ساتھ ہوا جنہیں گلگت میں کرنل حسن مرحوم نے گرفتار کرکے گلگت پر قبضہ کرلیا تھا۔

پاکستان آنے کے بعد آپ محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ سے ملے۔ یہ وہ دور تھا جب پاکستان میں آمریت یا سیاسی آمریت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی اور محترمہ فاطمہ جناحؒ کی تقریر کو ریڈیو پاکستان سے من و عن نشر ہونے میں رکاوٹ ڈال گئی تھی۔ آپ نے جناب حمید نظامی مرحوم سے مشورہ کرکے ممتاز صحافی مرزا عزیز بیگ کے ساتھ مل کر لاہور سے ہفت روزہ "گارڈین" کا اجراء کیا اور حکومت کی غیر سیاسی اور غیر جمہوری روایات پر تنقید کی۔ ۱۹۵۲ء میں آپ "لیڈر ایکسچینج پروگرام" میں امریکہ گئے۔ اس وقت پاکستان کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین تھے جو انہیں حکومتِ پاکستان سے منسلک کرنا چاہتے تھے مگر محترمہ فاطمہ جناحؒ نے انہیں لندن میں بار ایٹ لاء کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت کی اور سارے اخراجات برداشت کیے۔

لندن ہی کے قیام ۱۹۵۳ء میں آپ کو چوہدری ظفر اللہ نے یو این او میں طلب کیا اور مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں معاونت حاصل کی۔ خورشید صاحب انگریزی زبان کے اعلیٰ درجہ

کے منظور تھے۔ آپ نے یو این او کی وضعی کمیٹی کے سامنے کشمیر کے مسئلہ کی اہمیت اس طرح بیان کی کہ بھارت کے مندوب اور ریاست کے سابق وزیر اعظم مسٹر بی این راؤ نے بھی ان کی تعریف کی۔

وطن واپسی پر آپ نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور پاکستان کے ممتاز قانون دان جناب اے کے بروہی کے ساتھ کام شروع کیا۔ جناب بروہی خورشید صاحب کی ذہانت اور دیانت کے تمام عمر معترف رہے۔ پاکستان میں یہ وہ زمانہ تھا جب حقیقی مسلم لیگ بیوروکریسی نے اغوا کر لی تھی اور قائد اعظم محمد علی جناح کے رفقا کار پاکستان میں اجنبی بنا دیئے گئے تھے۔ راجہ صاحب محمود آباد پریشان ہو کر لندن چلے گئے تھے اس وقت کے ایچ خورشید نے جناب آئی آئی چندریگر، سردار عبدالرب نشتر، خواجہ نورالدین آف ڈھاکا، آئی ایچ اصفہانی سے مل کر تحریک تعمیر ملی کے نام سے ایک جماعت قائم کی اور قائد اعظم محمد علی جناح کے نظریہ سیاست اور جمہوریت کو بیان کرنے کے لئے پمفلٹ لکھے اخبارات میں مضامین تحریر کئے۔ "نوائے وقت" کے مدیر اعلیٰ جناب حمید نظامی، زیڈ اے سلہری اور امین ترین کی ہمدردیاں اس جماعت کو حاصل تھیں۔

۱۹۵۵ء میں آپ نے چوہدری محمد علی مرحوم وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے طلب کردہ آل پارٹیز کانفرنس میں شرکت کی اور کشمیر کا مسئلہ بڑی خوب صورتی سے پیش کیا۔ ۱۹۵۶ء میں آپ کو حکومت آزاد کشمیر کا پبلسٹی ایڈوائزر مقرر کیا گیا اور آپ نے کشمیر کے بارے میں غیر ملکی اخبارات میں مضامین تحریر کئے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کی شادی اپنے چچا محترم ڈاکٹر نور حسین صاحب ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز جموں و کشمیر کی دختر محترمہ ثریا حسین ایم اے سے ہوئی جو اعلیٰ پایہ کی ادیبہ اور افسانہ نگار ہیں۔ شادی سیالکوٹ میں ہوئی اور پھر یہ کراچی "فلیگ سٹاف ہاؤس" میں مقیم رہے۔

جون ۱۹۵۸ء میں خورشید صاحب چوہدری غلام عباس مرحوم کی جاری کردہ تحریک (کے ایل ایم) کشمیر لبریشن موومنٹ میں شامل ہو گئے اور گرفتار ہو گئے۔ یہ گرفتاری اکتوبر ۱۹۵۸ء

تک جاری رہی ۔

سابق صدر محمد ایوب خان کے دور میں آپ کو آزاد جموں و کشمیر کا صدر بنایا گیا ۔ اس وقت تک صدارتی طریقہ کار یہ تھا کہ مسلم کانفرنس کے چند لوگ حسب منشا شہزادہ کو کسی ایک فرد کو چن لیتے تھے ۔ خورشید صاحب نے اس طریقہ کار کو تبدیل کیا جسے کشمیری لیڈروں نے پسند نہیں کیا اور خورشید صاحب نے اپنی سیاسی جماعت جموں و کشمیر لبریشن لیگ قائم کی ۔ آپ ہی کے عہد میں منگلا ڈیم مکمل ہوا اور ریاست میں اصلاحات جاری کی گئیں

آزاد جموں و کشمیر کی تاریخ میں پہلی بار آپ نے ہی ۱۹۶۲ء میں انتخابات منعقد کرائے اور آپ پہلے منتخب صدر ہوئے ۔ آپ نے سردار عبدالقیوم خان کو شکست دی ۔ آپ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مسئلہ کشمیر کو عالمی سطح پر اجاگر کرنے کے لئے آزاد جموں و کشمیر کی حکومت کو تسلیم کرنے اور مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کا نعم البدل تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا ۔

دلائی کیمپ کا پہلا قیدی

۱۹۶۴ء میں جب شیخ محمد عبداللہ مرحوم پاکستان آئے تو اس وقت مسٹر کے ایچ خورشید حکومت آزاد کشمیر کے صدر تھے اس وقت ان کے حریف عناصر نے ان کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرائیں اور حکومت پاکستان نے انھیں گرفتار کر کے "دلائی کیمپ" میں نظر بند کر دیا ۔ یہ دلائی کیمپ کے پہلے قیدی تھے اس کے بعد حکومت پاکستان نے معذرت کر کے انھیں رہا کر دیا

۱۹۶۵ء میں ہونے والے انتخابات میں آپ نے محترمہ فاطمہ جناح کے چیف الیکشن ایجنٹ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں ۔ ۱۹۶۵ء کی ستمبر جنگ سے پیشتر انھیں پھر پابند سلاسل بنا دیا گیا آپ نے حکومت کو چند مشورے دیئے تھے اور ان کے طریقہ کار سے اختلاف کیا تھا ۔

آپ نے ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور بیرون ملک دورے بھی کئے ۔ ۱۹۸۰ - ۱۹۸۹ء میں آپ نے لندن، پیرس، امریکہ اور ہر ادارے میں کشمیر کا

مسئلہ پیش کیا۔ ۱۹۸۶ء میں آپ نے خیر جانب دار تحریک کے سربراہ کانفرنس میں ممبر کی حیثیت حصہ لیا اور کشمیر کا مسئلہ اراکین مجلس کے سامنے پیش کیا۔ آج کل آپ حکومت آزاد کشمیر کی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف تھے۔

آپ کے اعلیٰ کردار کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ آپ لاہور میں کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر تھے۔ انھوں نے نہ تو اپنی قومی و ملی خدمات کو اچھالا اور نہ ہی کبھی صلہ کی پروا کی بلکہ ایک مرد درویش کی مانند زندگی بسر کی صاف ستھری پاک صاف۔ آپ نے موجودہ دور کی مانند دولت کو اکٹھا نہیں کیا اور نہ سیاست کو ذریعہ معاش بنایا اور نہ ہی قائداعظم محمد علی جناح سے وابستہ یادوں کو سرِ بازار نیلام کیا۔

بہت سے اعلیٰ انسانی اوصاف ان کی شخصیت میں رچے بسے تھے

آپ ایک مضبوط کردار کے مالک شگفتہ چہرہ، مسکراتا چہرہ رکھتے تھے۔ ظاہر و باطن شفاف اور پاک تھا منافقت کو برا سمجھتے تھے اور عوام کو دھوکہ نہیں دیتے تھے اور نہ ہی سیاسی دکان چمکانے کے لئے انھیں "دسدوں کی جنت" دکھاتے تھے۔ حقیقی معنوں میں ایک شریف النفس انسان تھے شرافت، نجابت، اخلاص، ذہانت اور دیانت کا پیکر تھے۔ آپ کی اہلیہ ثریا خورشید ایم اے ان کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں اور یہی تربیت بچوں نے پائی ہے۔ آپ کی بیٹی یاسمین ہارون فائن آرٹ میں ایم اے اور شادی شدہ ہے اور بیٹا خرم الف سی کالج میں انگریزی ادبیات کا لیکچرار ہے پاکستان کے ممتاز انگریزی کالم نگار اور ادیب جناب خالد حسن اور مسرور حسن آپ کے چچا زاد بھائی اور برادر نسبتی ہیں

آج منہ ڈھانپ کے پھولوں میں صبا روئے گی

ان کی وفات سے پورے جموں و کشمیر میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی اور کوئی آنکھ ایسی نہیں

جس سے آنسو نہیں ٹپکے کوئی ایسا ہاتھ نہیں جو ان کی مغفرت کے لئے دعا کے لئے نہیں اٹھا
کسی عظیم انسان کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے اس کی عزت و احترام کے لئے
اس کا قومی پرچم تین دن کے لئے سرنگوں رہے ۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ خورشید
صاحب کے سیاسی مشن کو جاری و ساری رکھا جائے اور اس شمع حریت کی لو کو تیز تر کر دیا جائے
جسے خورشید صاحب نے اپنے جگر سے فروزاں کیا تھا
سیف نے کیا خوب صورت بات کہی ہے :

پھول وہ شاخ سے ٹوٹا کہ چمن ویراں ہے
آج منہ ڈھانپ کے پھولوں میں صبا روئے گی
اے میرے قائد بے باک ، نڈر ، شیر ، جری
تیری تربت پہ فطرت بخدا روئے گی ۔



آپریشن جبرالٹر اور اس کی حقیقت!

کے ایچ خورشید اور سابقہ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں پاکستانی سیاست کی یہ بدقسمتی رہی ہے اور اب بھی ہے کہ اس بساط پر جتنے سیاست دان مصروف و مگن ہیں اور اس وقت مصروف و مشغول تھے۔ سب کے پیش نظر ذاتی مفادات کی بجائے انفرادی خواہشیں کارفرما تھیں۔ بلاشبہ اگر کسی فوجی کمانڈر نے صفحۂ سیاست پر حروف کی شکل زیر کار سیاست دانوں کی باہمی چپقلشوں، آویزشوں سے تنگ آ کر عنانِ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس فعل کے نتیجے میں سیاست کا بازار سرد پڑ گیا مگر ملکی معاشی ترقی میں معتد بہ اضافہ ہوا کیونکہ عوام کو سیاست دانوں کی اتھل پتھل سے نجات مل گئی۔ آئے دن بدلتی حکومتوں سے رہائی میسر آ گئی۔ ملکی خوشحالی اور معاشی ترقی کا دارومدار جہاں امن و امان اور حالات کے معمول پر ہے وہاں حکمران کی دیرپا مستحکم حکومت اور اس کی نسبت پر بھی ہے۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کا مزاج سپاہی ہونے کی نسبت عاملانہ تھا جہاں اچھائیاں ہوتی ہیں وہاں برائیاں اگر کم ہوں تو کسی حکمران کے دورِ حکومت کی کسوٹی قرار پاتی ہیں۔ جناب کے ایچ خورشید محمد ایوب خاں کے دورِ حکومت میں ہی آزاد جموں و کشمیر کے صدر رہے اور بعد میں منتخب ہوئے۔ تقریباً پانچ سال کا عرصہ ایوب خان کے ساتھ گزارا۔ خیالات اور نظریات کی ہم آہنگی موجود تھی تبھی تو بڑے صدر نے چھوٹے صدر کو اتنا عرصہ برداشت کیا۔ محمد ایوب خاں سابقہ صدر پاکستان کے دورِ حکومت میں کچھ مدوجزر واقع ہوئے۔ یہ کسی چاندی کی کشش کا نتیجہ نہ تھے بلکہ زیرِ زمین کارفرما اس لاوا سے نکلنے جو مارِ آستین کی طرح

تربیت اور زیرِ زمین رہ کر خاموشی سے تیار ہو رہا تھا۔ اس مارِ آستین کو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان خود ہی سندھ سے لائے۔ پہلے اس کو معدنیات کی وزارت دی۔ پھر وزیرِ معدنیات کی چاپلوسی خوشامد اور منفی ذہانت سے متاثر ہو کر وزیرِ خارجہ بنا دیا۔ جو بعد میں ذوالفقار علی بھٹو کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ صاحب اپنے سامنے کسی دوسرے کو پسند نہیں کرتے تھے، خاص طور پر ایسے آدمی کو جو اس کے پائے سے بھی زیادہ ذہین، فطین، بہترین مقرر اور ڈیبیٹر ہو۔ نیز جس کی صلاحیتیں بانیٔ پاکستان کی صحبت میں رہ کر اور بھی نکھر گئی ہوں پھر جس کو انگریزی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ رواں اور شستہ انگریزی بولتا تھا نیز خوب رو اور خوش شکل تھا یعنی جناب کے ایچ خورشید مرحوم سے ذوالفقار علی بھٹو کو خدا واسطے کی دشمنی تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو اور کے ایچ خورشید مرحوم میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ خاص طور پر اس نقطۂ نظر سے کہ ذوالفقار علی بھٹو ایک جاگیردار باپ کے جاگیردار بیٹے تھے، جب کہ کے ایچ خورشید ایک غریب باپ کے ایک غریب بیٹے تھے۔ اسی سبب ذوالفقار علی بھٹو کو سخت ناپسند تھے۔ اس وقت کے وزیرِ امورِ کشمیر حبیب اللہ خان مسٹر بھٹو کے جال میں پھنس گئے۔ حبیب اللہ خان کے خوب کان بھرے۔ یہ کہہ کر کہ کے ایچ خورشید مرحوم شیخ عبداللہ کے ساتھ مل کر کشمیر کو ایک خود مختار ریاست بنانے پر تلے ہوئے تھے بلکہ یہاں تک کہ بقول بھٹو ان دو کشمیری رہنماؤں کی باہمی مفاہمت ہو گئی تھی۔ بدیں امر حبیب اللہ خان نے خان محمد ایوب خان کو ایسی رپورٹیں دینی شروع کیں جن سے صدر موصوف کو برافروختہ کر کے کے ایچ خورشید سے برگشتہ کرنا تھا۔

اس بابت ذوالفقار علی بھٹو اور حبیب اللہ خان کی باہمی سازش رنگ لائی تو صدر محمد ایوب خان نے مشتعل ہو کر حبیب اللہ خان کو حکم دیا کہ فوری طور پر ۲۴ گھنٹے کے اندر یکم جولائی ۱۹۶۴ء سے کے ایچ خورشید مرحوم کو صدارت سے علیحدہ کر کے لیکن تقریباً ہونے

دو ماہ تک اپنے اس حکم پر عمل درآمد کرنے یا کرانے میں تساہل کا شکار ہو گئے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک منتخب صدر کو معزول کرنے کا مطلب یہ تھا کہ حکومت پاکستان کو آزاد جموں و کشمیر کی حکومت پر اعتماد نہیں رہا۔ یہ نقطۂ نظر دیگرے ہندوستان کو خاص طور پر اور دیگر دنیا کو بالعموم طور پر یہ تاثر مل سکتا تھا کہ کے ایچ خورشید بھارت سے ملے ہوئے ہیں۔ گویا آزاد اور مقبوضہ جموں و کشمیر کے عوام اور رہنما پاکستان کے ساتھ الحاق کی نسبت بھارت کے ساتھ تعلقات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے یو این او میں مسئلہ کشمیر کو بہت نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔

مگر اندر ہی اندر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو آزاد جموں و کشمیر کی حکومت پر امر بیل کی طرح پھیل چکے تھے۔ سازشوں کا تانا بانا وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ کے ایچ خورشید نے اپنے ضمیر، خودداری اور موقف کی سچائی کے پیش نظر خود ہی استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے اپنا استعفیٰ ۲۲ اگست ۱۹۶۴ء کو وزارت امور کشمیر کو بھجوا دیا اور یوں باقاعدہ طور پر آزاد کشمیر کی حکومت سے الگ ہو گئے۔

جناب کے ایچ خورشید مرحوم کو اپنی اس اصول پسندی کی بنا پر دلائی کیمپ کے شب و روز کو گلے لگانا پڑا جو بخوشی قبول کیا۔ پھر بھی حکومت پاکستان کو اس استعفیٰ کے مابعد اثرات سے بچنے کے لئے ان کو رہا کرنا پڑا۔ ۱۹۶۵ء میں ۱۹۶۲ء کے آئین کے مطابق عام انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مقابلے میں بانیٔ پاکستان کی ہمشیرہ فاطمہ جناحؒ نے حصہ لیا اور جناب کے ایچ خورشید مس فاطمہ جناحؒ کا ساتھ دیا اور انتخابات کی اس مہم میں اوّل سے آخر تک محترمہ فاطمہ جناحؒ کے ساتھ رہے اور ان کے چیف پولنگ ایجنٹ کے طور پر کام کیا۔ یہ اعزاز بھی کے ایچ خورشید کے حصے میں آیا۔ انتخابات کے بعد ذوالفقار علی بھٹو اپنے ڈیڈی کے خلاف صف آرا ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح خان محمد ایوب خاں کے اقتدار ستون کو ہلایا جائے

تاکہ موقع ملتے ہی اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے۔

اب یہ کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے اس مقصد کے حصول کے لئے کیا کیا؟ اور کون سے پروگرام مرتب کئے۔ مسئلہ کشمیر پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک ایسا مسئلہ ہے جو دونوں طرف دونوں حکومتوں کے لئے حکومتوں کے قیام اور زوال کا سبب ہے اور دونوں کے تعلقات میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور شروع سے لے کر آج تک پاکستان اور بھارت کی حکومتیں ایک دوسرے کی نیت اور خلوص کو مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے پیمانے سے پیمائش کرتی چلی آ رہی ہیں۔

مسئلہ کشمیر کی بابت بھارت کی سفارت کاری میں کامیابی پاکستان کی حکومت کی ناکامی اور پاکستان کی کامرانی بھارتی حکومت کی ناکامی شمار ہوتی آئی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے بقول سابقہ وزیر اعظم اندرا گاندھی کہ بھارت کی کوئی حکومت کشمیر کو چھوڑ نہیں سکتی اور پاکستان کی کوئی حکومت کشمیر سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے مسئلہ کشمیر کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان جو خود بھی مسئلہ کشمیر کو حل کرنا چاہتے تھے اور مقبوضہ جموں و کشمیر کو ہر قیمت پر لینا چاہتے تھے۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی اصول پسندی اور نیک نیتی جب کہ ذوالفقار علی بھٹو کی ہوس اقتدار، مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو مشورہ دیا کہ پاکستان کشمیر کے جوانوں کو گوریلا تربیت اور اسلحہ دے کر کشمیر میں داخل کرے تاکہ مقبوضہ جموں و کشمیر کے اندر چھاپہ مار کارروائیاں شروع ہو جائیں۔ آہستہ آہستہ بھارت ان کارروائیوں سے تنگ آ کر کشمیر کے اندر رائے شماری کرانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس پروگرام میں اس وقت کے کمانڈر انچیف کو بھی شامل کیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو اس پروگرام کے طے پا جانے کے بعد امریکہ روانہ ہوئے۔ کچھ دیگر ممالک کا بھی دورہ کیا۔

واپس آکر صدر پاکستان کو یہ بتایا گیا کہ مقبوضہ جموں و کشمیر میں گوریلا جنگ ہوئی تو اس کے شروع کرنے سے بھارت پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا - جنگ نہیں ہوگی اگر جنگ ہوئی تو یہ جنگ صرف کشمیر تک محدود رہے گی اپنے خارجی ملک کے دورے کے نتائج سے صدر پاکستان کو آگاہ کر دیا گیا - نیز بھٹو صاحب نے صدر پاکستان سے یہ کہا کہ امریکہ نے یقین دلایا ہے کہ بھارت پاکستان کی بین الاقوامی حدود کو پار نہیں کرے گا - یہ رپورٹ کس حد تک درست تھی ؟ اور مقبوضہ جموں و کشمیر کے اندر گوریلا مشن کس حد تک حق بجانب تھا ؟ کیا مقبوضہ جموں و کشمیر کے حالات گوریلا کارروائی کے لئے موزوں اور مناسب تھے ؟ اس تمام تر کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ صدر پاکستان خان ایوب خان کی حکومت کسی نہ کسی طرح ناکام ہو جائے ۔

اس فوجی مشن کا نام آپریشن جبرالٹر ہے - یہ فوجی مشن کی نسبت سیاسی مشن زیادہ تھا اور یہ ایک خطرناک کارروائی تھی جس میں ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا دیا گیا - جب کہ اس مشن کا علم کے ایچ خورشید کو ہوا تو انھوں نے اس مشن کو خودکشی قرار دیا جس پر ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا - کے ایچ خورشید مرحوم نے اس مشن کی مخالفت کی - ان کا کہنا تھا کہ ایسے مشن کی شروعات سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مقبوضہ جموں و کشمیر کے اندر مسلمانوں کو اعتماد میں لیا جائے اور بین الاقوامی دنیا میں مسئلہ کشمیر کو بھرپور انداز میں اٹھایا جائے تاکہ جہاں خارجی محاذ پر پاکستان کو زیادہ سے زیادہ امداد حاصل ہو وہاں مقبوضہ کشمیر کے اندر مسلمانوں کو جنگ کے لئے اپنے ذہنوں کو تیار کرنے کا بھرپور موقع ملے - کے ایچ خورشید کا نقطۂ نظر کس حد تک درست تھا - گوریلا جنگ میں جو ناکامی ہوئی اور اس کے بعد بھارت نے پاکستان پر ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو حملہ کر دیا - حالات و واقعات خود گواہ ہیں کہ ان کا موقف سچائی پر مبنی تھا - نیچے ان کی تحریر کا عکس دیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام خود ملاحظہ فرمائیں ۔

مسز ثریا خورشید سے ملاقات

"کے ایچ خورشید کی یادیں" کے عنوان سے کتاب لکھنے کا فیصلہ خورشید مرحوم کی وفات کے فوراً بعد ہی کر چکا تھا۔ میں نے اس ضمن میں آگے قدم بڑھایا، معلومات جمع کرنی شروع کیں، دوستوں سے ملاقاتیں کیں۔ مختلف شخصیات کو خطوط لکھے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح بانئ پاکستان کی اپنی لکھی ہوئی کتاب ایک دوست کی معرفت دیکھنے کا موقع ملا۔ DANGEROUS KASHMIR کتاب کو بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا۔

جب کتاب سو صفحات تک پہنچی تو میں نے مسز ثریا خورشید سے رابطہ قائم کیا۔ کیولری گراؤنڈ ان کی رہائش گاہ پر گیا۔ ملاقات کی۔ ان کو بتایا کہ میں نے "کے ایچ خورشید کی یادیں" کے عنوان سے کتاب لکھی ہے تقریباً سو صفحہ لکھا جا چکا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس کتاب کا پیش لفظ لکھ دیں تو انھوں نے کوئی تامل نہ کیا۔ حامی بھرلی۔ انھوں نے کہا کہ مسودہ میرے پاس چھوڑ جائیں تاکہ دیکھ کر میں پیش لفظ لکھ سکوں چنانچہ میں نے مسودہ ان کے حوالے کر دیا اور چلا آیا۔ مسز ثریا خورشید نے فرمایا کہ آپ چار پانچ یوم کے بعد آکر مسودہ بمع پیش لفظ لے کر جائیں۔ مسز ثریا خورشید نے بتایا کہ وہ کل اسلام آباد جا رہی ہیں کہ ایک شادی میں شرکت کرنی ہے وگرنہ جلدی پیش لفظ لکھ دیتی

ایک ہفتہ کے بعد میاں اشرف گلزار کے ہمراہ کیولری گراؤنڈ ثریا خورشید کے پاس گیا۔ نوکر نے دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا مسز صاحبہ ہمارے پاس بیٹھ گئیں۔ میاں اشرف گلزار نے مسز صاحبہ سے پوچھا کہ

"خورشید صاحب مرحوم نے ساری زندگی کیا کوئی مکان بنایا؟"

جس پر مسز خورشید نے بتایا کہ ساری زندگی کرائے کے مکان میں بسر کی ہے۔

میاں صاحب نے بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا کہ کیا حکومت پاکستان نے آپ کی کوئی مدد کی ہے؟ مسز صاحبہ بولیں کہ کے ایچ خورشید مرحوم کی تدفین کے بعد لاہور واپس آئی تو تقریباً ایک ماہ بعد ڈپٹی کمشنر لاہور میرے پاس آئے۔ میں نے اس ڈپٹی کمشنر کا نام پوچھا۔ اس نے کہا کہ نام کی کیا ضرورت ہے۔ بات جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے کہا کہ سفید کاغذ پر آپ دستخط کر کے دے دیں۔ ڈپٹی کمشنر نے مزید بتایا کہ پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق (شہید) کی ہدایت پر میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ لہٰذا آپ دستخط کر کے دے دیں۔ باقی کام ہم خود کر لیں گے۔

مسز صاحبہ نے ہم کو بتایا کہ میں نے ڈی سی صاحب سے پھر کہا کہ آپ اپنی آمد کا مطلب بتائیں اور صاف کاغذ پر دستخط کر کے دینے کا کیا مطلب ہے؟ ڈی سی صاحب نے کہا اس کو کوئی علم نہیں ہے بس جو اس کو علم ہے اور جو اس کو ہدایت دی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ سے دستخط کروا کر کاغذ لے جاؤں۔ مسز خورشید نے بتایا کہ میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اگر امداد کرنی ہے تو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ امداد کس قسم کی ہے نیز کورے کاغذ پر دستخط کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اصول جس کی پاسداری کے ایچ خورشید مرحوم نے ساری زندگی کی اس کو آپ لمحوں میں ضائع کر دوں۔ کے ایچ خورشید بڑے خوددار تھے۔ اُن کی زندگی میں بڑی مالی دشواریاں پیش آئیں لیکن کسی سے ذکر تک نہیں کیا اور آج سفید کاغذ پر دستخط کر کے دے دوں تو حکومت یہ کہے گی کہ خورشید صاحب کی بیگم نے روپیوں کے حصول کے لئے درخواست دی ہے۔

مسز خورشید نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے ڈی سی صاحب سے بات

کی کہ آخر صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق کیا چاہتے ہیں اور ان کا کیا پروگرام ہے؟ دو دن بعد وہ میری منت سماجت کرتے رہے کہ جو میرا جائز حق ہے وہی دلوا دیں۔

انھوں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ایچ خورشید مرحوم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل محمد علی جناح کے پہلے سرکاری پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کئے گئے تھے۔ خورشید صاحب سرکاری ملازم تھے۔ اس سرکاری ملازمت کے واجبات حکومتِ پاکستان نے نہ تو خورشید صاحب کو اُن کی زندگی میں دیئے اور نہ ان کی وفات کے بعد مجھے ادا کئے۔ اسی طرح خورشید صاحب آزاد جموں و کشمیر کے صدر رہے تو بہ طور صدر کے جو خورشید صاحب نے خدمات سرانجام دیں۔ صدارت سے علیحدہ ہونے کے بعد حکومت آزاد کشمیر نے بھی کوئی پنشن نہ دی جو کہ خورشید صاحب کا حق تھا۔ انھوں نے بات کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ خورشید صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں حکومت پاکستان کو بھی درخواست دی تھی کہ پاکستان کے گورنر جنرل قائدِاعظم محمد علی جناح کے ساتھ جتنا عرصہ بہ طور سیاسی سیکرٹری کے کام کیا اس کے واجبات ادا کئے جائیں لیکن حکومت پاکستان نے درخواست نہ تو مسترد کی اور نہ ہی منظور!

مسز خورشید نے بتایا کہ جب یہ باتیں میں نے ڈی سی صاحب سے کہیں تو ڈی سی صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔ میاں اشرف گلزار نے مسز ثریا خورشید سے مخاطب ہو کر کہا کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم بہت مخلص انسان تھے۔ محترمہ ثریا خورشید صاحبہ نے کہا کہ اس میں کیا شک ہے! میاں اشرف گلزار نے کہا کہ ضیاء الحق مرحوم کی ہدایات کچھ اور ہوں گی لیکن پاکستانی افسروں کا انداز اپنا ہے جو اچھے حکمران کو بھی داغدار کر دیتا ہے۔ جس پر ثریا خورشید صاحبہ خاموش ہو گئیں۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر بولیں کہ آزاد کشمیر (جموں) میں عام انتخابات کے بعد میں ایم ایل اے منتخب ہوئیں۔ موجودہ وزیرِاعظم آزاد جموں و کشمیر ممتاز راٹھور نے مجھ سے

کہا کہ بے نظیر بھٹو سابق وزیرِاعظم پاکستان آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ اس وقت ممتاز راٹھور صاحب سے میں نے پوچھا کہ بے نظیر صاحبہ مجھے کیوں ملنا چاہتی ہیں اور مجھ سے ملاقات کی غرض و غایت کیا ہے؟ ممتاز راٹھور اگلے دن پھر میرے پاس آئے۔ پھر وہی بات دہرائی۔ ممتاز راٹھور نے مجھے بتایا کہ بے نظیر صاحبہ آپ کے پاس آ کر آپ کے خاوند کی وفات پر آپ سے اظہارِ تعزیت کرنا چاہتی ہیں۔

مسز ثریا خورشید نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے ممتاز راٹھور کو بتایا کہ میرے خاوند کو فوت ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے تقریباً ڈیڑھ سال لیکن بے نظیر صاحبہ کو ایچ خورشید کی وفات کی خبر نہ ہو سکی۔ اگر بے نظیر صاحبہ مخلص ہوتیں تو خورشید صاحب کی وفات کے فوراً بعد یہاں آ کر اظہارِ تعزیت کرتیں لیکن اتنا عرصہ کے بعد اظہارِ تعزیت کرنے کی خواہش کا اظہار کرنا نہ تو خلوص پر مبنی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مطلب بلکہ یہ سیاسی ملاقات ہے اور بے نظیر صاحبہ اسی مقصد کے لئے میرے پاس آنا چاہتی ہیں جس پر ممتاز راٹھور نے مزید کہا کہ اظہارِ تعزیت کے علاوہ آپ کی کچھ مدد کرنا بھی ہے۔

مسز خورشید صاحبہ نے بتایا کہ امداد کا کیا مطلب ہے؟ راٹھور صاحب چپ ہو گئے میں نے راٹھور صاحب سے کہا اگر خورشید صاحب کی پنشن بطور سابقہ صدر آزاد کشمیر کے دے دی جاتے جو کہ میرا حق ہے وہی کافی ہے چنانچہ بے نظیر صاحبہ (وزیرِاعظم پاکستان) سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔

بے نظیر صاحبہ مظفرآباد آئیں اور میں بھی مظفرآباد میں تھی لیکن پھر بھی میں نے اس سے ملاقات نہ کی۔ میں کوئی ایسا تاثر نہ دینا چاہتی تھی جس سے یہ پتہ چلے کہ میں مالی معاونت چاہتی ہوں۔

ہم نے یہ تمام گفتگو سنی۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسز ثریا خورشید جناب کے ایچ خورشید مرحوم کے اصولِ خودداری کی پاسبان اور امین ہیں اور وہ ان ہی اصولِ خودداری

کی پرتو ہیں۔ انھوں نے بتایا خرم خورشید برطانیہ جا کر بار ایٹ لاء کی ڈگری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے صاف بتایا ہے کہ میرے پاس کوئی رقم نہیں جو کچھ کرنا ہے اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر کرنا ہے۔

میاں اشرف گلزار نے مسز صاحبہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج تو دنیا دولت کو پوجتی ہے لیکن دولت بھی سب کچھ نہیں ہوتی پھر بھی دنیا داری کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے مسز ثریا خورشید بولیں کہ ہاں دولت بڑی چیز ہے تو اصول اس سے بھی بڑی چیز ہے۔ مسز خورشید صاحبہ نے بہت ساری باتیں کیں۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ حکومت پاکستان یا حکومت آزاد جموں وکشمیر سے کوئی امداد نہیں لینا چاہتی البتہ حق کا مطالبہ کرنا کوئی بری بات نہیں حکومت پاکستان سے اور آزاد جموں وکشمیر سے میرا مطالبہ ہے کہ جناب کے ایچ خورشید مرحوم کے واجبات بطور قائد اعظم کے پولیٹیکل سیکرٹری کے اور بطور صدر آزاد جموں وکشمیر کے ان کی پنشن ادا کریں۔

★



۱۰ فروری ۱۹۸۷ء مرحوم کے ایچ خورشید گوجرانوالہ میں اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ

Jammu & Kashmir Liberation League

جموں وکشمیر لبریشن لیگ

Head Office :
MUZAFFARABAD
(AZAD KASHMIR)
*
7, Turner Road,
LAHORE

صدر دفتر
مظفرآباد * آزاد کشمیر
۷۔ ٹرنر روڈ ۔ لاہور

Z.A.Bhtoo conspired with Khan Muhammad Ayub Khan and Khan Habib Ullah Khan against me to get me removed from the presidentShip of AZAD JAMMU KASHMIR president Ship. Ayub Khan was honest and outspoken man; but unfortunately encircled by ringkings. Z.A. Bhutto was a good speaker and debater and as well as negative gesture, he was jellous of me and eared the Government against me, he could not tolerate any body like me. Operation Jabralters was a creation with two edges, one to put the president on the way leading to his political death, Second way leading to a serious dangerous to pakistan security and collect benefits thereof in his favour to ammote power as a result of the defeat. I decided to oppose the Military operation known as operation Jabralter and bring the consequences thereof to the people of pakistan. By very that reason, I was arrested. Z.A. Bhutto was responsible of my arrest. Moreover Bhutto came to exile and to get me murdered. My resignation and operation Jabralter co-linked Mr.Ayub Khan was concern to Kashmir cause and desired to get occupied Kashmir out of Indian clutches. Mr. Bhutto assured Ayub Khan of foreign support and Indian non-crossing of pakistan borders, and exploited in his favour Ayub Khan's sincerity to the Kashmir dispute. Tashkand treaty, exploitations by Zulfiqar Ali Bhutto can be seen in this back ground. Mr. Bhutto was the pivotal of all the plottings woven around the Ayub's regeim, he thrice tried to convince me to leave Mohitarma Jinnah and help Ayub Khan which I refused each time. In 1962 election Mrs. Hamid Ullah Warriach filed papers against me but she took back the papers, it was the great honour to me. It is remembered that Mrs Hamid Ullah Warriach was daughter of Khushi Muhammad(late) Governor of Kashmir belong to Harianwala Distt. Gujrat. I never talked talked in a way as is attributed to me by the late prime minister Zulfiqar Ali Bhutto and then foreign Minister of pakistan. No doubt I met Shiekh Abdullah but talked with him only for the libration of the occupied of the Kashmir from the Indian slavery.

These are short notes.

ع ۔ قریشی 18-12-85





جناب خورشید الحسن خورشید کا جب نام لیتا ہوں تو ہر طرف حُسن ہی حُسن نظر آتا ہے اس کے نام کے اندر ایک حسن اور ضیا پائی جاتی ہے۔ جس شخصیت سے ان کی ذات منسلک تھی وہ بھی سراپائے حُسن و اصول ہے۔ جس دھرتی سے ان کا تعلق تھا وہ حسن، خوش ہوا اور رنگ سے بھرپور ہے۔ آپ کا کردار، اخلاق، گفتار اور لباس بھی حُسن، ضیائیں، خوشبوئیں اور رنگ بکھیرتا تھا۔ میں غائبانہ طور پر اُن کا بہت عرصہ معتقد رہا لیکن ان کی ذات سے چند سال پہلے ان سے ملاقات ایک کشمیری اعلیٰ جج کی رہائش گاہ پر ہوئی جس سے میرے ذہن والا تاثر دوچند ہو گیا۔ واقعی خورشید کی شخصیت سحر کن تھی۔ نہ جانے وہ خورشید اپنے اجالوں، روشنیوں اور ضیاؤں کے ساتھ کہاں غروب ہو گیا۔

مجھے یقین ہے کہ ان کی ضیائیں اور اجالے آج بھی ہم اس کتاب میں محسوس کر رہے ہیں۔ غلام رسول سندھو صاحب کی سعی قابل تحسین ہے

فاروق چوہدری ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ گوجرانوالہ



پاکستان میری بہن میرے سیکرٹری
(کے ایچ خورشید)
اور میرے ٹائپ رائٹر نے حاصل کیا
ہے ——————— (قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ)



ثریا اختر سندھو ایم۔اے
بی ایڈ (ہمشیرہ مصنف)